اکابرِ صحابہ رضی اللہ عنہم

شہادت سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک خودساختہ فسانے کا تحقیقی جائزہ

اور

شہداءِ کربلا رضی اللہ عنہم پر افتراء

شہادتِ حسینؓ کے بارے میں
ایک خودساختہ داستان کا علمی جائزہ

از

شیخ الحدیث محقق العصر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن غضنفر

مؤسس و مدیر

الرحیم اکیڈمی

اے ۷/۷ اعظم نگر پوسٹ آفس، لیاقت آباد
کراچی ۷۵۹۰۰

جملہ حقوق طباعت بتمام وکمال بنام الرحیم اکیڈمی محفوظ ہیں

اس کتاب کے کسی بھی حصے کی فوٹو کاپی، اسکنگ اور کسی بھی قسم
کی اشاعت ادارہ کی تحریری اجازت کے بغیر نہیں کیجا سکتی ہے۔

نام کتاب اکابر صحابہؓ اور شہدائے کربلاؓ پر افتراء
مصنف محقق العصر مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ
ناشر: ڈاکٹر محمد عبدالرحمن غضنفر
موسس و مدیر: الرحیم اکیڈمی 7/A7 اکرام آباد اعظم نگر
لیاقت آباد کراچی 75900= ٹیلیفون=4913916
مطبع: قریشی آرٹ پرنٹنگ پریس ناظم آباد کراچی
طبع چہارم ۱۴۲۴ھ ۲۰۰۳ء
تعداد ۱۰۰۰
قیمت ۵۰ روپے

ملنے کے پتے

- اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
- درخواستی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبہ بنوریہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبہ قاسمیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبہ اسحاقیہ جونا مارکیٹ کراچی
- عباسی کتب خانہ جونا مارکیٹ کراچی
- مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی
- مکتبہ مجیدیہ ملتان
- مکتبہ تبلیغ و اصلاح حیدرآباد سندھ
- امداد اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ
- مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
- مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
- مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ بلوچستان
- مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ بلوچستان

فہرست مضامین

❁ عرض ناشرین	۷
❁ حضرت عثمان غنیؓ کے نام پر فتنہ عظیم	۱۶
❁ ملاحدہ باطنیہ	۱۶
❁ شیعہ اثنا عشریہ	۱۷
❁ مجلس عثمان غنیؓ کا تعارف	۱۸
❁ مجلس کا شائع کردہ پہلا کتابچہ	۱۸
❁ اکابر صحابہؓ پر تہمت طرازیاں	۱۸
❁ کتابچہ کے اقتباسات	۱۹
❁ قیامت صغریٰ	۲۰
❁ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ پر افتراء	۲۰
❁ حضرت حسینؓ و عبداللہ بن زبیر پر افتراء	۲۱
❁ مروان کی مداحی	۲۱
❁ ناصبیوں سے پنجتن پر طعن و تشنیع	۲۲
❁ حضرت علیؓ کی خلافت پر طعن و تشنیع	۲۲
❁ بنو ہاشم پر افتراء	۲۳
❁ حضرت عمار پر افتراء	۲۴
❁ خود ساختہ سازش	۲۵
❁ شہادت فاروق اعظمؓ کے متعلق غلط بیانی	۲۶
❁ حضرت طلحہؓ و زبیر اور اکابر صحابہ کا گھناؤنا کردار پیش کرنا	۲۶
❁ فاروق اعظم کے قتل کا الزام حضرت علیؓ پر	۲۷

کتابچہ کی مفتریات پر بحث کا آغاز	۲۸
عہد رسالت اور عہد شیخین پر طنز	۲۸
حضرت علیؓ پر افترا پردازیوں کے جوابات	۲۸
اکابر صحابہؓ پر الزام تراشیوں کا جوابات	۲۹
دفاع عثمانؓ میں حضرت حسنؓ اور دیگر اکابر کا زخمی ہونا	۳۲
محمدؓ بن ابوبکرؓ کے بارے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ	۳۳
حضرت عبیداللہ بن عمرؓ کے واقعہ کی حقیقت	۳۴
بنی ہاشم کی طرف حضرت عثمانؓ کا مال واسباب لوٹنے کی تردید	۳۸
حضرت علیؓ کے خلیفہ برحق ہونے سے انکار	۳۹
کتابچہ کے فرضی مآخذ کی تفصیل	۴۰
شجاعت مروان کا دلچسپ افسانہ	۴۱
کتب اہل سنت میں مروان کے اعزازات	۴۱
محاصرہ حضرت عثمانؓ کا اصل سبب مروان تھا	۴۳
ناصبیوں کے پنجتن	۴۳
صحابی رسول اللہ ﷺ عمرو بن حمق پر قتل عثمان کا غلط الزام	۴۴
حضرت عثمانؓ کے قتل میں کسی صحابی کی شرکت ثابت نہیں	۴۴
مجلس عثمان غنیؓ کی ''تک بندی''	۴۵
اکابر صحابہؓ کو یہودی ٹھیرانا	۴۸
اس کتابچہ کی تلخیص	۴۸
تلخیص اور اصل کا فرق	۴۹
تاریخی تضاد	۴۹

❁ ''سید الشہداء'' اور ''امام مظلوم''	۵۰
❁ حضرت علیؓ کی خلافت سے انکار	۵۰
❁ نادانوں کا روافض کی ضد میں صحابہؓ کی توہین کرنا	۵۱
❁ روافض و نواصب کا توہین صحابہؓ میں ایک حکم	۵۱
❁ مجلس عثمان غنی کا روافض کی لے میں لے ملانا	۵۲
❁ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اسلام سے نکالنے کی کوشش	۵۲
❁ دور حاضر کے ملحدین کا طریقہ کار	۵۳
❁ دوبارہ غور کی دعوت	۵۳
❁ صحابۂ کرامؓ کے بارے میں عقائد اہل سنت کی تفصیل، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے قلم سے	۵۴
❁ نواصب کون ہیں	۵۷
❁ نواصب کا خاتمہ	۵۷
❁ برصغیر میں ناصبیت کی تحریر	۵۸
❁ مجلس عثمان غنی کا تعارف اور پروگرام	۵۸
❁ خودساختہ ''داستان کربلا''	۶۱
❁ اس داستان کے پہلے جھوٹ کی تنقیح	۶۸
❁ داستان گو کی حساب دانی	۷۶
❁ دوسری جھوٹ کی تنقیح	۷۷
❁ تیسرے جھوٹ کی تنقیح	۸۶
❁ ظلم کا انجام	۹۴
❁ امویوں کا زوال یزید سے عبرت پکڑنا	۹۷

❁ داستان گو کا حضرت زبیرؓ پر افتراء	۹۸
❁ یزید کی برأت کے سلسلے میں داستان سرائی	۱۰۶
❁ خاندان حسینی کے وظائف مقرر کرنے کا افسانہ	۱۰۷
❁ یزید کی جانشینی کی نرالی توجیہ	۱۰۸
❁ بنی ہاشم پر افتراء	۱۱۰
حضرت حسینؓ کے بارے میں افسانہ تراشی	۱۱۶
❁ حضرت حسین کو مطعون کرنا	۱۱۹
❁ کتاب کا غلط حوالہ	۱۲۵
❁ صحابی رسول اللہ ﷺ حضرت سلیمان بن صرد پر طعن	۱۲۶
❁ داستان کا اختتام کھلے جھوٹ پر	۱۲۹
❁ حضرت علیؓ و حسینؓ کی تحقیر و توہین	۱۳۱
❁ ایک نئی دریافت	۱۳۲
❁ حضرت حسن کے بارے میں داستان سرائی	۱۳۴
❁ حضرت حسین کی تحقیق	۱۳۶
❁ قاتلان عثمانؓ کے بارے میں ضروری تنقیح	۱۳۸
❁ شیعہ مخلصین کون ہیں	۱۴۳
❁ حضرت حسینؓ کے بارے میں افتراء پردازی	۱۵۱
❁ جن لوگوں نے حضرت علیؓ سے جنگ کی ان کے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ	۱۵۲
❁ نواصب تقیہ سے باز آئیں	۱۵۴
❁ یزید کے کرتوت حدیث کی روشنی میں	۱۵۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس نازک وقت اور خطرناک ترین دور میں اہل سنت جس صورتِ حال سے غیر شعوری طور پر دوچار ہوتے جا رہے ہیں اور جس گہری سازش کا شکار بنتے جا رہے ہیں وہ یہ ہے کہ اندرون خانہ "حبِ صحابہ" اور "ردِّ شیعہ" کا لیبل لگا کر یکبارگی بانت مذہب اہلِ سنت کا تحریف شدہ "جدید ایڈیشن" تیار کیا جا رہا ہے "خلافتِ راشدہ" جیسی دینی اصطلاحات جس کا خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی طرف سے مفہوم و مصداق بالکل متعین ہے۔ اس کی اصل دینی حدود کو وسیع کر کے بے وزن و بے اثر بنایا جا رہا ہے، حضرات عشرہ مبشرہ حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور خلیفہ رابع حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مقابلہ میں "یزید" و "مروان" کو اعلیٰ سیرت کا حامل، پیکر محاسن، خادم دین وملت اور فہیم و مخلص باور کرایا جا رہا ہے۔ اور حیف صد حیف کہ یہ نئی تبدیلی اور خطرناک سازش خود چند نام نہاد اہلِ سنت افراد ہی کے ہاتھوں انجام پا رہی ہے۔

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

چنانچہ فی الوقت ملک کے طول و عرض میں غیر محدود طور پر "ناصبیت" کو فروغ دینے کی کوشش جاری ہے۔ "ناصبیت" نے "رفض" ہی کی کوکھ سے جنم لیا ہے جو اس کا قدرتی ردعمل تھا صحابہ کے مقابلہ میں "روافض" و "نواصب" آپس میں ایک دوسرے کے خورد و کلاں بھائی بھائی ہیں، البتہ رافضی بڑے بھائی ہیں اور ناصبی چھوٹے بھائی۔

ایک مرض کا علاج دوسرے مرض کے ذریعہ کرنا عقلمندی نہیں نادانی ہے، یہ خالص تباہی اور ہلاکت کا سودا ہے۔ لہٰذا رفض کا علاج ناصبیت سے کرنا خود رفض کو اپنانا اور بانی مذہب شیعہ عبداللہ بن سبا یہودی کی روح کو شاد کرنا ہے۔ اب ذرا موجودہ دور کے ناصبیوں کی اس افتراپردازی پر غور فرمائیں کہ "جملہ صحابہ کرام کے سردار حضرات خلفاء راشدین

ایک دوسرے کے حریف 'اقتدار پسند اور طالب جاہ و شہرت تھے۔ چنانچہ خلیفہ رابع حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موت کے منتظر بیٹھے گھڑیاں گن رہے تھے اور جب وہ دنیا سے رحلت کر گئے' تو ان کے بیٹے عبیداللہ بن عمر کو تہ تیغ کرانے میں کوشاں رہے۔ حالانکہ آپ فاروق اعظم کے مشیر خصوصی ہی نہیں بلکہ اس درجہ ان کے گرویدہ و عقیدتمند تھے کہ جب ان کا جنازہ لایا گیا تو بے تابانہ دست بدعا تھے کہ "اے الٰہ العالمین میرا اعمالنامہ بھی محض اپنے فضل سے روز قیامت ان جیسا روشن و منور بنا دے"۔ آپ ہی کے الفاظ ہیں۔

خیر الامۃ بعد نبیہا ابوبکر ثم عمر۔ — حضرت نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابوبکر ہیں اور پھر عمر۔

غور فرمایئے "حب صحابہ" اور "ردِّ شیعہ" حضرت فاروق اعظم اور علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہما کو باہم شیر و شکر باور کرانے میں مضمر ہے جو کہ امر واقعی ہے۔ یا ان کو باہم ایک دوسرے کا حریف و معاند ثابت کرنے میں جیسا کہ شیعوں اور اس دور کے ناصبیوں کا دعویٰ ہے اور جو سراسر افترا' اور خلاف واقعہ ہے۔ افسوس ہے کہ بانیان" مجلس عثمان غنیؓ" اس کھلی حقیقت کو نہ سمجھ سکے۔ اور افترا پردازی و بہتان طرازی میں لگے شیعوں کی نقل اتارنے۔ اللہ تعالےٰ ان کی شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے آمین۔

دراصل شیعانِ علی اور بانیان" مجلس عثمان غنیؓ" یعنی شیعانِ عثمان دونوں کا منصوبہ صحابہ میں تفریق و عناد کو ہوا دینا ہے اصل مقصد میں دونوں شریک ہیں۔ صرف شخصیتوں کو مجروح کرنے میں فرق ہے۔ روافض خلفاء ثلاثہ کے دشمن ہیں اور بانیان مجلس نواصب' شیعہ امویہ علی و حسنین اور ان صحابہ کے جو امیر معاویہ کے مقابلہ میں حضرت مرتضیٰ کو اور یزید کے مقابلہ میں حضرت حسین کو واجب الاحترام

اور اپنا قائد مانتے ہیں خواہ وہ انصار و مہاجرین و عشرہ مبشرہ ہی کیوں نہ ہوں۔

حد ہوگئی باقیاتِ مجلس کی روسیاہی کی کہ وہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا پر تہمت لگانے میں بھی بنی ہاشم اور حضرت علی مرتضیٰ کو ملوث کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں سے انتقام لے۔ تاثر یہ دیا جا رہا ہے کہ گویا تہمت عائشہ میں بھی جس سے زمین و آسمان کانپ اٹھے علی حصہ دار ہیں۔ اور اگر براہِ راست خود حصہ دار نہیں تو مفتری کے خاندان بنی ہاشم سے تو وابستہ ہیں ہی۔ لہذا جرم ثابت۔ گویا خاندان بنی ہاشم سے ہونا خود ایک ناقابلِ معافی جرم اور خطاءِ عظیم اور شیعیت ہے۔ حضرات علی و حسنین و طلحہ و زبیر جیسے اکابر صحابہ کے بارے میں جو گستاخی اور من گھڑت کہانیاں "مجلس عثمان غنیؓ" کے شائع کردہ اس پہلے کتابچہ میں درج ہیں اس سے ناظرین ان بدباطن ناصبیوں کے دلی کھوٹ اور زیغ و الحاد کا پتہ چلا سکتے ہیں۔ مجلس سے شائع کردہ تمام کتابچوں کا یہی حال ہے کہ چاندی سونے کے ورق میں لپیٹ کر زہر کی گولیاں دی جا رہی ہیں۔ جن کے پڑھنے اور صحیح باور کرنے سے آدمی خاندان رسالت سے بدظن۔ اکابر صحابہ سے بدعقیدہ اور ایمان کی حلاوت سے محروم ہو جاتا ہے۔

اخیر میں ہم مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ کے شکرگذار ہیں کہ مولانا موصوف نے ہماری تحریک پر اس فتنہ کے قلع قمع کے لئے قلم اٹھایا۔ اور یہ قیمتی مقالہ لکھ کر اس مجلس کے دجل و فریب کا پردہ چاک کر دیا جزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین خیرا۔

ترجمان اجداد

علی مطہر نقوی (امروہوی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
حامداً ومصلیاً ومسلماً اما بعد

عرض ناشر

بندہ مومن کی طبیعت ساری ہی برائیوں کی طرف مائل ہو سکتی ہے۔ مگر کذب اور خیانت کی طرف اس کا میلان نہیں ہوا کرتا۔ تصدیق اور ایمان کا تقاضا ہی یہ ہے کہ صدق وامانت اس کی فطرت میں داخل ہو۔ اور کذب اور خیانت سے اس کو طبعی نفرت ہو۔ جھوٹ بولنا، دغا بازی یہ منافق کا شیوہ ہے مسلمان کا نہیں۔

"رفض" اور "ناصبیت" یہ دو ایسی بدعتیں ہیں جن کی بنیاد ہی کذب اور دروغ گوئی پر قائم ہے۔ غضب خدا کا تصور تو کیجئے "رافضی" اور "ناصبی" یہ دونوں فرقے "خیر اُمت" کے افضل ترین افراد کے بارے میں جن کے جنتی ہونے کی زبان رسالت نے شہادت دی ہے اور جن کی ثنا و صفت خود قرآن پاک میں جابجا مذکور ہے کس بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں اور کیسی کیسی افترا پردازی اور بہتان طرازی کرتے ہیں۔

رافضی، حضرات صدیق اکبر، فاروق اعظم اور عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں کہتے ہیں کہ:۔ العیاذ باللہ ان سے بیعت کرنے والے مسلمان نہیں منافقین تھے انہوں نے ہی انکو اپنا خلیفہ اور امام بنایا تھا اور ان تینوں حضرات نے تخت خلافت پر زبردستی قبضہ جما لیا تھا ورنہ

خلافت تو دراصل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حق تھا اور وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ بلافصل تھے۔ یہ لوگ ان حضرات ثلاثہ اور ان سے بخوشی بیعت کرنے والے تمام اصحاب کرام کو سرے سے مومن ہی نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان سب کو منافق کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس جھوٹ کو سچ باور کرنے سے بچائے آمین۔

اسی طرح "ناصبی" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں ان کو سبائیوں نے امام بنایا تھا انھوں نے ہی ان سے بیعت کر کے ان کو خلیفہ کیا اور دوسروں سے بھی زبردستی ان کی خلافت کی بیعت لی۔ یاد رہے سبائیوں کا سرغنہ عبداللہ بن سبا، ایک یہودی منافق تھا جو مسلمانوں کو گمراہ کرنے کیلئے بظاہر اسلام کا دم بھرتا تھا۔ ناصبیوں کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت منعقد نہیں ہوئی، بلکہ ان کا دور حکمرانی ہنگامہ پروری اور فتنہ و فساد کا دور تھا جس میں ہر طرف مسلمانوں کے خون کی ارزانی تھی، خلافت راشدہ کا زمانہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کے بعد دوبارہ اس وقت شروع ہوا جب حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی اور مسلمانوں نے اطمینان کا سانس لیا، ان کا بیٹا یزید بھی خلیفہ راشد تھا مگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سبائیوں کے ورغلانے میں آکر خلیفہ برحق یزید کے خلاف بغاوت کر دی۔ آخر اپنے کیے کی سزا کو پہنچے، حرہ میں جن صحابہ و تابعین کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قتل عام ہوا وہ بھی سب باغی تھے جو یزیدی فوج کے ہاتھوں اپنے کیفر کردار کو پہنچے، اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نواسے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی بقول

ان ناصبیوں کے خلیفہ راشد یزید علیہ ما علیہ کے "ملحد فی الحرم" یعنی حرم الٰہی میں الحاد کے داعی تھے اس لیے مجبوراً یزید کو فوج بھیج کر حرم کعبہ کا محاصرہ کرنا پڑا، غرض ان ناصبیوں کے نزدیک یزید کے سب اقدام برحق تھے اور اس کے خلاف جس نے بھی صدائے حق بلند کی وہ حق پر نہ تھا۔

اسلامی تاریخ چونکہ ان جھوٹوں کا ساتھ نہیں دیتی اس لیے ان کو اب خود تاریخ گڑھنی پڑ رہی ہے۔ موجودہ دور میں اس دجل و فریب اور کذب و دروغ کی ابتدا تو محمود احمد عباسی نے "خلافت معاویہ ویزید" لکھ کر کی تھی لیکن بعد کو کمیونسٹ ملحدوں اور منکرین حدیث نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اس میں خاطر خواہ اضافہ کرنا شروع کر دیا، منکرین حدیث تو دور اول یعنی صحابہ کی تاریخ کو بے اعتبار قرار دے کر حدیث و روایت سے اعتماد اٹھانا چاہتے ہیں اور کمیونسٹ ملحدوں کا مقصد یہ ہے کہ اہل قبلہ میں اشتعال پیدا کرکے قتل و قتال کا ایسا بازار گرم کیا جائے کہ پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بج جائے جس طرح کہ دشمنوں نے صوبائی تعصب کو ہوا دے کر مشرقی پاکستان میں کیا تھا۔

اس وقت "ناصبیت" کے پرچار کے لیے کراچی اور پنجاب دونوں جگہ مسلسل کام ہو رہا ہے اور افسوس یہ ہے کہ اس فتنہ کی لپیٹ میں عربی مدارس بھی آرہے ہیں، یونیورسٹی اور کالج کے شعبہ تاریخ کے اساتذہ بھی اور بعض عوامی واعظ بھی، اس فتنہ کی زد میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو عربی نہیں جانتے اور جو جانتے ہیں وہ اصل عربی ماخذوں سے رجوع نہیں کرتے تاکہ جھوٹ سچ معلوم ہو کر اصل حقیقت سامنے آجائے۔

اسی جھوٹ کے پرچار کا ایک ادارہ "مجلس حضرت عثمان غنیؓ" کے نام سے کراچی میں قائم ہے جو آئے دن کوئی نہ کوئی کتابچہ چھاپ کر مسلمانوں میں شائع کرتا رہتا ہے جس کو پڑھ کر سادہ لوح عوام گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اس مجلس کے شائع کردہ پہلے کتابچہ پر جس کا نام ہے "حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کیوں اور کیسے؟" مفصل تنقید "اکابر صحابہؓ پر بہتان" کے نام سے چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے [۱]

پیش نظر کتاب "شہدائے کربلا پر افتراء" مجلس حضرت عثمان غنیؓ" کے شائع کردہ دوسرے کتابچہ کا علمی و تحقیقی جائزہ ہے۔ جس کا نام ہے "داستان کربلا حقائق کے آئینے میں" ان دونوں کتابچوں کے مرتب مجلس مذکور کے مشہور داستان گو ڈاکٹر احمد حسین کمال ہیں جو کسی زمانے میں "جمعیۃ علماء اسلام" کے ہفت روزہ جریدہ "ترجمان اسلام" کے ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔

اسی مجلس کا پانچواں کتابچہ "حادثہ کربلا" کے نام سے مکرر طبع ہو چکا ہے۔ جس کا طرز بیان "داستان کربلا" سے بھی زیادہ زہریلا اور گستاخانہ ہے لہذا اس میں خوب دل کھول کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر چوٹیں کی گئی ہیں ایک مسلمان کیلئے جو صحابہ کرام اور اہل بیت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت سے واقف ہو صبر و تحمل کے ساتھ اس کا پڑھنا بھی دشوار ہے اور اس کے مطالعہ سے جو ذہنی اذیت اور کوفت ہوتی ہے اس کا اندازہ وہی شخص لگا سکتا ہے جو جذبہ ایمانی سے سرشار ہو اس کے باوجود مولوی محمد اسحاق صدیقی سندیلوی کی اس کتابچہ کے بارے میں یہ فہمائش ہے کہ:۔

"مولانا ابوالحسین محمد عظیم الدین صاحب کا رسالہ "حادثہ کربلا"

---

[۱] پہلے یہ تنقید "ناصبی سازش" کے نام سے طبع ہوئی تھی۔

میں نے دیکھا ہے، ماشاء اللہ بہت مفید اور نافع ہے
اہل سنت کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے تاکہ سبائی دروغ
بافیوں نے جو طلسم تیار کیا ہے وہ شکست ہو اور ان کی آنکھیں
کھلیں" فقط

احقر محمد اسحاق صدیقی عفا اللہ عنہ
۲۹ صفر ۱۳۹۵ھ - ۹ مارچ ۱۹۷۵ء

"حادثہ کربلا" اسی "داستان کربلا" کا خلاصہ ہے اور اسی جھوٹ
کو اس میں بھی شرح لے کر دوہرایا گیا ہے اور سند کے لیے پھر مجلس ہی
کے "داستان گو" کا نام بایں الفاظ پیش کر دیا ہے۔
"برصغیر کے معروف اہل قلم، "تاریخ آسکالر ڈاکٹر
احمد حسین کمال لکھتے ہیں" (ص ۱۵ طبع اول و ص ۱ طبع ثانی)
"حادثہ کربلا" طبع اول پر مولوی محمد اسحاق صدیقی سندیلوی کے ارشاد
گرامی کے بعد "پیش لفظ" ڈاکٹر احمد حسین کمال کے قلم سے شائع ہوا ہے
جس میں مجلس کے داستان گو صاحب نے مرتب رسالہ کے گن گائے
ہیں۔ گویا وہی مضمون ہے:-

من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو

رسالہ "شہدائے کربلا پر افتراء" مجلس حضرت عثمان غنیؓ" کے شائع کردہ
ان دونوں کتابچوں کے زہر کا تریاق ہے، اور حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی
سے امید ہے کہ جو بھی اس رسالہ کو بنظر انصاف پڑھے گا اس پر حقیقت
حال آشکارا ہو جائے گی - اس رسالہ کے مصنف مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

صاحب مدظلہ کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ، ملک کا علمی طبقہ ان سے بخوبی واقف ہے ۔

اس رسالہ کو لکھے ہوئے اگرچہ چار سال سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا مگر اس کی طباعت کی نوبت اب تک نہ آ سکی ۔ پہلے اس مقالہ کو ایک مذہبی ماہنامہ میں شائع کرنے کا ارادہ تھا ۔ مدیر ماہنامہ نے کچھ عرصہ اس کو اپنے پاس اشاعت کے خیال سے رکھا مگر بعد کو مروان و یزید سے تعلق خاطر کی بنا پر اپنے دوستوں کے مشورہ پر اس کی اشاعت کی ہمت نہ کر سکے ۔ مسودہ واپس ہوا تو ایک ناشر صاحب نے مدت تک اس کو اپنے پاس دبائے رکھا آخر خدا خدا کر کے بڑی مشکل سے ان سے برآمد ہوا اور حق تعالیٰ نے ہمیں توفیق دی کہ اس کی اشاعت کا شرف حاصل کر رہے ہیں ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اس کو شرف قبولیت سے نوازے اور میدان حشر میں اس حقیر سی کوشش کی بدولت مصنف و ناشر اور ان کے خاندان کے تمام افراد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل و اصحاب کی شفاعت کا مستحق بنائے ۔ آمین

ناظرین کرام سے صرف اتنی استدعا ہے کہ اس رسالہ کے مطالعہ کے بعد اگر ان کو اس کے مضمون سے اتفاق ہو تو اس کی اشاعت و خرید میں سرگرمی دکھائیں تاکہ "ردِّ ناصبیت" کے کام کو آگے جاری رکھا جا سکے ۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۔

ناچیز
مظفر لطیف عفی عنہ
بچہار شنبہ ۲۲ ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۱ ہجری

۲۲/۱۰/۱۹۸۲ء
طبع چہارم سنہ ۱۴۲۲ھ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر فتنۂ عظیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین ولا عدوان الا علی الظالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین سیدنا محمد وعلیٰ آلہ الطاہرین واصحابہ الطیبین

امابعد۔ برصغیر پاک و ہند میں روافض کا وجود زمانۂ قدیم سے ہے ایک زمانہ میں ملاحدہ باطنیہ نے "ملتان" میں اپنی حکومت قائم کرلی تھی اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ملت کے بطل جلیل سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ کو کہ انھوں نے "ملتان" سے ان کی سلطنت کا خاتمہ کرکے باطنی شیعوں کا قلع قمع کیا تاہم ان قرامطہ ملاحدہ کی یادگار "آغا خانی" اور "برہان الدین" کی جماعت سے وابستہ "باطنی شیعہ" اب بھی ہند و پاک کے مختلف شہروں میں بجا کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ "ملاحدہ باطنیہ" بالاتفاق غیر مسلم ہیں۔ یہ اپنے ائمہ کو نعوذ باللہ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے افضل سمجھتے ہیں۔ صحابہ اور دین کے دشمن ہیں۔ قرآن و شریعت کو معطل کردینے کا اپنے ائمہ کو حقدار سمجھتے ہیں چنانچہ آغاخانیوں نے تو آجکل دین و شریعت کو بالکل معطل کرہی رکھا ہے۔

یہ لوگ اپنے ائمہ میں خدا کے حلول کرنے کے بھی قائل ہیں۔

"شیعہ اثنا عشری" جو بارہ اماموں کے قائل ہیں ان کو معصوم جانتے ہیں اور ان کی اطاعت کو فرض قرار دیتے ہیں انھوں نے بھی "دکن" میں اقتدار حاصل کرکے اپنی ریاستیں قائم کرلی تھیں مجاہد کبیر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر غازی رحمہ اللہ نے اپنے عہد میں "دکن" کی ان ریاستوں کو ختم کرکے قلمرو سلطنت میں داخل کرلیا تھا۔ تاہم جب سے ہمایوں "ایران" سے لوٹا مغل دور حکومت میں شیعہ "اثنا عشریہ" کی تعداد بڑھتی ہی رہی۔ "اودھ" میں ان کی ریاست مستقل قائم ہوگئی تھی جو انگریزوں کے زمانہ میں ختم ہوئی' اب عام طور پر رافضی کے نام سے یہ لوگ الگ جانے پہچانے جاتے ہیں اور کم و بیش ہر بڑے شہر اور قصبے میں موجود ہیں۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام سے تبری و بیزاری ان کے بھی دین کا جزو ہے۔ قرآن کریم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے غیظ اور ان پر غصہ اور خفا ہونے کو کفار کا خاصہ بتایا ہے۔ ارشاد ہے۔ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔

پچھلے چند برسوں میں جب سے محمود احمد عباسی امروہوی کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" منظر عام پر آئی ہے چونکہ اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسی طرح کردارکشی کی گئی ہے جس طرح روافض حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی کیا کرتے ہیں۔ اس لئے بہت سے ناواں مسلمان جن کو عباسی کی ابلہ فریبی کا پتہ نہیں کہ اس کتاب میں اس نے دجل و تلبیس کے کیسے کیسے خوشنما جال بچھائے ہیں۔

جھوٹ کو سچ سمجھ کر رافضیوں کی ضد میں اس درجہ آگے بڑھ گئے کہ انھیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے اکابر صحابہ کی تنقیص و توہین میں مزہ آنے لگا۔ اس صورتِ حال سے منکرین حدیث اور کمیونسٹوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ وہ کھلی ویلے پاؤں ان کی صف میں آکر شامل ہو گئے۔ رشدہ رشدہ نوبت بایں جا رسید کہ اس فتنہ پرداز کی کی اشاعت کے لئے باقاعدہ مجلسیں بن گئیں۔ اسی قسم کی ایک مجلس اور اس کے غلط اندازِ فکر کا قارئین سے تعارف کرانا مقصود ہے یہ مجلس کورنگی کراچی میں حضرت عثمان غنی کے نام پر قائم کی گئی ہے جس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے۔

"مجلس عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں پھیلائی جانے والی بدگمانیوں اور غلط بیانیوں کو مؤثر طور پر زائل کرنے اور مسلمانانِ امت کی صحیح تاریخ منظرِ عام پر لانے کے لئے قائم کی گئی ہے جس کی پہلی خدمت آپ کے سامنے ہے اس عظیم اور مقدس مقصد کے لئے آپ کا تعاون ضروری ہے۔" (ص ۲)

یہ پہلی خدمت جس کے لئے جملہ مسلمانوں سے تعاون کی اپیل کی گئی ہے ۳۲ صفحات کا ایک کتابچہ ہے جس کا نام ہے حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کیوں اور کیسے یہ سلسلہ مطبوعات مجلس حضرت عثمان غنیؓ کی پہلی کڑی ہے جو ۱۲/۷ اے ۱۵ کورنگی ۶ کراچی

جھوٹ کو سچ سمجھ کر رافضیوں کی ضد میں اس درجہ آگے بڑھ گئے کہ انھیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے اکابر صحابہ کی تنقیص و توہین میں مزہ آنے لگا۔ اس صورت حال سے منکرین حدیث اور کمیونسٹوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ وہ بھی دبے پاؤں ان کی صف میں آکر شامل ہوگئے رفتہ رفتہ نوبت بایں جا رسید کہ اس فتنہ پرداز کی کی اشاعت کے لئے باقاعدہ مجلسیں بن گئیں۔ اسی قسم کی ایک مجلس اور اس کے غلط انداز فکر کا قارئین سے تعارف کرانا مقصود ہے یہ مجلس کورنگی کراچی میں حضرت عثمان غنیؓ کے نام پر قائم کی گئی ہے جس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے۔

"مجلس عثمان غنی رضی اللہ تعالٰے عنہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں پھیلائی جانے والی بدگمانیوں اور غلط بیانیوں کو مؤثر طور پر زائل کرنے اور مسلمان امت کی صحیح تاریخ منظر عام پر لانے کے لئے قائم کی گئی ہے جس کی پہلی خدمت آپ کے سامنے ہے اس عظیم اور مقدس مقصد کے لئے آپ کا تعاون ضروری ہے۔" (ص ۲)

یہ پہلی خدمت جس کے لئے جملہ مسلمانوں سے تعاون کی اپیل کی گئی ہے ۳۲ صفحات کا ایک کتابچہ ہے جس کا نام ہے حضرت عثمان غنی ذو النورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کیوں اور کیسے یہ سلسلہ مطبوعات مجلس حضرت عثمان غنیؓ کی پہلی کڑی ہے جو ۱۲۷ اے ۱۵ کورنگی ۶ کراچی

یہ لوگ اپنے ائمہ میں خدا کے حلول کر لے کے بھی قائل ہیں ۔

"شیعہ اثنا عشری" جو بارہ اماموں کے قائل ہیں ان کو معصوم جانتے ہیں اور ان کی اطاعت کو فرض قرار دیتے ہیں انھوں نے بھی دکن میں اقتدار حاصل کر کے اپنی ریاستیں قائم کر لی تھیں مجاہد کبیر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر غازی رحمہ اللہ نے اپنے عہد میں "دکن" کی ان ریاستوں کو ختم کر کے قلمرو سلطنت میں داخل کر لیا تھا۔ تاہم جب سے ہمایوں "ایران" سے لوٹا مغل دور حکومت میں شیعہ اثنا عشریہ کی تعداد بڑھتی ہی رہی۔ "اودھ" میں ان کی ریاست مستقل قائم ہو گئی تھی جو انگریزوں کے زمانہ میں ختم ہوئی اب عام طور پر رافضی کے نام سے یہ لوگ الگ جانے پہچانے جاتے ہیں اور کم و بیش ہر بڑے شہر اور قصبے میں موجود ہیں۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام سے تبری و بیزاری ان کے بھی دین کا جزو ہے ۔ قرآن کریم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے غیظ اور ان پر غصہ اور خفا ہونے کو کفار کا خاصہ بتایا ہے ۔ ارشاد ہے ۔ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارُ ۔

پچھلے چند برسوں میں جب سے محمود احمد عباسی امروہوی کی کتاب " خلافت معاویہ و یزید" منظر عام پر آئی ہے چونکہ اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسی طرح کردار کشی کی گئی ہے جس طرح روافض حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی کیا کرتے ہیں۔ اس لئے بہت سے نادان مسلمان جن کو عباسی کی ابلہ فریبی کا پتہ نہیں کہ اس نے کتاب میں اس نے دجل و تلبیس کے کیسے کیسے خوشنما جال بچھائے ہیں ۔

سے شائع ہوئی ہے۔ کتابچہ کی قیمت ایک روپیہ لکھی ہے۔ مرتب کا نام احمد حسین کمال ہے اور پتہ جمعیۃ اکاڈمی۔ سی ۱۵۳۔ کورنگی، کراچی مرقوم ہے۔ مطبع کا نام درج نہیں کیا گیا۔

لیکن اس کتابچہ کے ذریعہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں پھیلائی جانے والی بدگمانیوں اور غلط بیانیوں کو مؤثر طور پر زائل کرنا تو کجا الٹی یہ کوشش کی گئی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ کو اس طرح رنگ آمیزی کرکے بیان کیا جائے کہ جس سے حضرت ممدوح کی شہادت کے اصل ذمہ دار تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ قرار پائیں اور آپ کے ہر دو صاحبزادگان حضرات حسنین، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور ان دونوں حضرات کے صاحبزادے محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر اور حضرت عمار بن یاسر اور دیگر حضرات اہل مدینہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کا کردار بھی اس بارے میں گھناؤنا نظر آئے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس کی بھی پوری کوشش کی گئی ہے کہ حضرت صدیقِ اکبرؓ پر طوفان باندھنے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے سلسلہ میں بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی کو مورد طعن و ملامت بنایا جائے اور اس کی ذمہ داری بھی ان ہی کے سر ڈالی جائے۔ اب پہلے اس خود ساختہ افسانہ کو مختصراً مرتب ہی کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے پھر اس کے جھوٹ سچ کا خود ہی فیصلہ فرمائیے۔ مرتب کے الفاظ ہیں۔

قیامت صغریٰ

مدینہ کے ایک گروہ کی حوصلہ افزائی پاکر کوفہ، بصرہ اور مصر وغیرہ سے کئی ہزار افراد پر مشتمل، شرپسندوں اور باغیوں کا گروہ اچانک مدینہ منورہ پہونچ گیا... حضرت عثمان غنی کے مکان کا محاصرہ کرلیا... شہر مدینہ کا رابطہ دوسرے شہروں سے کاٹ دیا۔ مدینہ میں رہنے والے اکابر حضرت علی وغیرہ خاموشی کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل گئے یا چپ چاپ اپنے گھروں میں بیٹھے رہے.... اہل مدینہ کی بے وفائی و بے حسی سے کبیدہ خاطر ہوکر... ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بچی بچائی مکہ معظمہ تشریف لے گئیں تاکہ مدینہ کے افسوسناک حالات سے.... حج کے موقع پر آئے ہوئے دنیا بھر کے مسلمانوں کو مطلع کردیں کہ مدینہ میں کونسی قیامت صغریٰ برپا ہورہی ہے باغیوں نے یہ محسوس کرکے کہ.... حج پر آتے ہوئے مسلمان.... مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ آکر ان باغیوں کی سرکوبی نہ کرڈالیں.... حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مکان کے دروازے میں آگ لگادی، اس وقت حضرت عثمان کے دروازے کے سامنے کھڑے، مدینہ کے جو افراد بےبسی کے ساتھ یہ کارروائی دیکھ رہے تھے۔ ان میں حضرت علی کے دونوں صاحبزادے حسن اور حسین

اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے صاحبزادے محمد بن طلحہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ شامل تھے۔ دروازے میں جونہی آگ لگی اور شعلے بلند ہوئے، حضرت عثمان کے داماد اور کاتب مروان تلوار لے کر باہر نکلے تاکہ باغیوں کو آتش زنی کی کارروائی سے روکیں، باغیوں نے مروان پر حملہ کر دیا، ابن ایلناع نے آگے بڑھ کر مروان کو نشانہ بنانا چاہا لیکن مروان کی تلوار نے اس کا کام تمام کر دیا، مروان کافی دیر تک باغیوں سے نبرد آزما رہے لیکن باغیوں نے انہیں دھکیل کر فاطمہ بنت اوس کے مکان میں بند کر دیا۔ اور آس پاس کے مکانات کی دیواروں سے کود کود کر کئی شرپسند حضرت عثمان کے مکان میں داخل ہو گئے۔ ان شرپسندوں کی قیادت حضرت علی کا ایک سوتیلا بیٹا اور پروردہ محمد بن ابی بکر کر رہا تھا، اس محمد نے حضرت عثمان کی پیشانی پر پیکان سے ضرب لگائی اور داڑھی پکڑ کر کھینچی اس کے ایک ساتھی کنانہ بن بشر نے کان کے نچلے حصہ میں تیر مار کر حضرت عثمان کے حلق سے پار کر دیا۔ اس کے دوسرے ساتھی غافقی نے لوہے کی سلاخ سے حضرت عثمانؓ کا سر پھاڑ دیا اور اس قرآن کو ٹھوکر مار کر دور پھینک دیا جسے حضرت عثمان تلاوت فرما رہے تھے۔ اس کا تیسرا ساتھی عمرو بن حمق حضرت عثمان کے

سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور آپ کے سینہ پر خنجر کے نو(۹) چرکے لگائے۔ اس کے چوتھے ساتھی سودان بن حمران مرادی نے تلوار کا ایک بھرپور وار کر کے حضرت عثمان کا چراغ حیات گل کر دیا۔ یہ تھے وہ "پنج تن" جنھوں نے مسلمانوں کے خلیفہ کو.... دن دھاڑے مدینہ میں .... بے رحمی کے ساتھ شہید کر ڈالا۔ . . اس خونین حادثہ کے بعد تین دن تک حضرت عثمان کی لاش بے گور و کفن پڑی رہی.... تین دن کے بعد مغرب اور عشاء کے درمیان رات کی تاریکی میں حضرت عثمان کے چند قریبی رشتہ دار مروان وغیرہ کواڑ کے ٹوٹے ہوئے ایک تختہ پر حضرت عثمان کی لاش ڈال کر قبرستان جنت البقیع کے ایک حصہ "حش کوکب" میں لائے زبیر، ابوجہم بن حذیفہ، حسن، حکیم بن حزام، نیمار بن مکرم اسلمی جنازے کے ہمراہ تھے۔ جبیر بن مطعم نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور رات کے اندھیرے میں نہایت خاموشی کے ساتھ حضرت عثمان کی میت کو دفن کر دیا۔

(از ص ۳ تا ص ۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت

باغی جب حضرت عثمان کو شہید کرنے کے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور مدینہ میں جتنا فساد وہ کرنا چاہتے تھے کر چکے تو اب

انہیں اس اندیشہ اور خوف نے پریشان کرڈالا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حج کے موقع پر خلیفہ کی امداد کے لئے ضرور اپیل کی ہوگی اور مسلمان ان کی اپیل پر لبیک کہہ کر باغیوں کی سرکوبی کے لئے دوڑ پڑیں گے اس احساس کے پیش نظر انھوں نے اپنی حفاظت کی راہ ڈھونڈنا شروع کی وہ سب کے سب حضرت علی کے گرد و پیش جمع ہوگئے اور ان پر زور دیا کہ وہ اپنی خلافت کے لئے بیعت کرلیں اہل مدینہ کو بھی مجبور کیا کہ وہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ (ص ۱۰)

صفحہ ۱۰ پر ہی مؤلف نے "شہادت عثمان غنی پر رنج والم کے جذبات" کا عنوان قائم کیا ہے اور پھر صفحہ ۱۷ تک مختلف حضرات کے مراثی سے ان اشعار کا ترجمہ پیش کیا ہے جو ان کے مرثیہ کے سلسلہ میں کہے گئے تھے۔ اس سلسلہ میں ولید بن عقبہ کی طرف منسوب کرکے ان کے الفاظ کا یہ ترجمہ کیا ہے۔

"اے بنو ہاشم اپنے بھانجے کے خون آلود ہتھیار واپس دیدو، اس کا مال نہ لوٹو یہ تمہیں جائز نہیں ہے۔

"بنی ہاشم قیادت کے معاملہ میں جلدی نہ کرو، عثمان کے قاتل اور اس کا مال لوٹنے والے یکساں مجرم ہیں"۔ (ص ۱۵)

اور نائلہ بنت فرافصہ کی نسبت یہ لکھا ہے کہ انھوں نے معاویہؓ بن ابی سفیان کے نام جو خط لکھا تھا اس میں تحریر تھا کہ

"مدینہ والوں نے ان کے مکان کا محاصرہ کر کے مکان میں ہر ہر چیز کا داخلہ بند کر دیا حتیٰ کہ پانی تک نہ آنے دیا۔" (ص ۱۵)

اور یہ بھی کہ

"اہل مصر کی قیادت محمد بن ابی بکر اور عمار بن یاسر کر رہے تھے (ص ۱۶)

حضرت عثمانؓ کے خلاف سازش اور شہادت

"لیکن صد ہزار افسوس کہ اسلام کے خلاف خاندان بنی ہاشم کے ایک فرد ابی لہب اور اس کی بیوی نے عناد و سازش کا جو بیج بویا تھا اور جس پر قرآن حکیم نے سورہ "تبت یدا" میں ان دونوں کو ملعون ٹھہرایا تھا۔ وہ بیج ایک پودے کی شکل میں مدینہ پہنچا اور پروان چڑھتا رہا اس کا پہلا نشانہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب بیوی حضرت ابوبکر کی پیاری بیٹی اور امت کی محترم ماں' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنائی گئیں۔ اور ان پر مخالفوں سازشیوں نے تہمت عائد کی' جس کی برات خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح طور پر فرمائی۔ بالآخر یہی سازش تھی جس نے خلافت کے مسئلہ پر نزاع کھڑا کیا اور افراد بنی ہاشم نے ۶ ماہ تک حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ اسی سازش نے ایران کے مفتوحین کا ایک گروہ مدینہ میں آباد کیا اور خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کو شہید کرایا۔ اب جبکہ نو مسلموں اور عرب قریش اور

بنی ہاشم کی نئی نسل جوان ہو گئی تھی۔ سازش نے پیر پھیلائے پر اور پر پرزے نکالے اور حضرت عثمان کے خلاف نکل کر سامنے آگئی۔ جس خلیفہ نے اسلامی مملکت کو بچایا۔۔۔ لوگوں کو تاریخ میں پہلی مرتبہ شہری آزادیاں عطا کیں۔۔۔۔۔ اس خلیفہ کو دن دہاڑے دارالخلافت اور دارالرسالت شہر مدینہ میں۔۔۔ بھوکا اور پیاسا تڑپا کر لوہے کی سلاخوں سے مار مار کر ہلاک کر ڈالا گیا۔ جبکہ مدینہ میں حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے اکابر اور حضرت حسینؓ اور حضرت حسنؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جیسے نوجوان بنی ہاشم موجود تھے۔ کیا آسمان وزمین نے اس سے زیادہ دردناک کوئی اور منظر بھی دیکھا ہوگا۔" (ص ۳۰ و ۳۱ و ۳۲)

مرتب نے حضرت عثمان کے کارناموں کے سلسلہ میں ایک عنوان قائم کیا ہے۔

<u>خطرناک سازش کو ناکام بنادیا</u>

اور پھر اس کے ذیل میں یہ کہانی لکھی ہے۔

"خلافت کا منصب سنبھالنے کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سازش کو ناکام بنانے کی طرف سب سے پہلے توجہ فرمائی جس کے نتیجہ میں خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت واقع ہوئی تھی۔ حضرت عمرؓ کے واقعہ شہادت میں ایران کے وہ نومسلم ملوث تھے جو جنگی قیدی کی

حیثیت سے مدینہ آئے .... انھوں نے بنو ہاشم کے نوجوانوں سے ربط وضبط بڑھایا ہرمزان نامی ایک ایرانی.... کے گھر پر ایرانی نومسلموں اور بنو ہاشم کے نوجوانوں کا اٹھنا بیٹھنا ہوتا رہتا تھا اور ایک گروہ تشکیل پا گیا تھا ایک دن فجر کی نماز میں جبکہ ابھی کافی اندھیرا تھا اور حضرت عمر امامت فرما رہے تھے، اس گروہ کے ایک فرد فیروز ابُولُولُوہ نے پیچھے سے زہرآلود خنجر سے حضرت عمرؓ پر پے در پے قاتلانہ وار کر ڈالے اور دوسرے کئی نمازیوں کو شہید و زخمی کر دیا بعد کو خود بھی خودکشی کر لی۔ اس شخص نے جس خنجر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملے کئے وہ ہرمزان کا تھا۔ حضرت عمرؓ کے قتل کی سازش کے اصل محرک کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبیداللہ نے مشتعل ہو کر ہرمزان کو قتل کر دیا اور چند دوسرے سازشی بھی اس کی زد میں آ گئے۔ حضرت عثمان جب خلیفہ منتخب ہو گئے تو بجائے اس کے کہ... حضرت عمرؓ کے قتل کی تحقیق کر کے اس سازش میں ملوث تمام دوسرے افراد کے خلاف مکمل کاروائی کا مطالبہ کیا جاتا۔ بنو ہاشم اور حضرت علی کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ عبیداللہ بن عمر کو ہرمزان کے قتل کے بدلے میں قتل کر دیا جائے۔ حضرت عمروؓ بن عاص نے اس کی شدید مخالفت

کی اور دوسرے تمام اصحاب رسول نے بھی اسے غلط قرار دیا۔
تاہم حضرت عثمان نے عبید اللہ بن عمر کی طرف سے خود "دیت" ادا
کر کے مقتول کے وارثین کے ساتھ صلح وصفائی کرا دی لیکن بنو ہاشم
اور حضرت علی کی طرف سے عبید اللہ بن عمر کے قتل کئے جانے پر اصرار
جاری رہا حتیٰ کہ جب حضرت عثمان کے بعد حضرت علی کے ہاتھ
پر باغیوں نے بیعت کی تو پہلی کارروائی یہی کی گئی کہ عبید اللہ
بن عمر کو "دیت" پر رہا کر دینے کا حضرت عثمان کا فیصلہ منسوخ
کیا گیا اور عبید اللہ بن عمر کو ہرمزان کے قتل کے بدلے قتل
کر دینے کا حکم جاری کیا گیا" (ص ۴۱ تا ص ۴۴)

مؤلف کی نظر میں خلافت عثمانی کا اصل کارنامہ یہی اس سازش کا فرو کرنا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ

"حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی دینی سیاسی اور تاریخی عظمت
بجا اور ان کے عظیم ترین کارنامے و فتوحات تسلیم لیکن حضرت
عثمان نے خلیفہ ثانی حضرت عمر کی شہادت کے جس سازشانہ
پس منظر میں خلافت کا عہدہ سنبھالا تھا اور اندرونی طور
پر حضرت عمر کے صاحبزادہ حضرت عبید اللہ کے قتل کرنے
کے اندرونی دباؤ اور مطالبے سے دوچار ہونا پڑا تھا جس کے
مان لینے سے امت مسلمہ فوراً دو ٹکڑوں میں بٹ کر مستقل باہمی
تصادم میں مبتلا ہو سکتی تھی جیسا کہ واقعہ قتل حسین کے بعد ہو گئی۔ (ص ۱۳۶)

یہ ہے "مجلس عثمان غنی" کورنگی کراچی کا پہلا کارنامہ اور بالکل نیا اکتشاف کہ امت اسلامی اب تک جو تاریخ پڑھتی رہی وہ سراسر غلط اور قطعاً جھوٹ ہے۔ حقیقت واقعہ وہ ہے جو اس "مجلس" کے نمائندے احمد حسین کمال کو سوجھی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے لوگوں کو تاریخ میں پہلی مرتبہ شہری آزادیاں عطا کیں۔ (ص ۳۱)

ورنہ نعوذ باللہ عہد رسالت اور عہد صدیقی و عہد فاروقی میں تو کہیں ڈھونڈے سے بھی شہری آزادیوں کا دور دور پتہ نہیں چلتا۔

اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ پر جن لوگوں نے طوفان اٹھایا تھا اس کے کرتا دھرتا منافقین مدینہ نہیں بلکہ

خاندان بنی ہاشم کے ایک فرد ابی لہب اور اس کی بیوی نے عناد و سازش کا جو بیج بویا تھا۔۔۔۔ وہ بیج ایک پودے کی شکل میں مدینہ منورہ پہونچا اور پروان چڑھتا رہا۔ اس کا پہلا نشانہ۔۔۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بنائی گئیں اور ان پر مخالفوں اور سازشیوں نے تہمت عائد کی۔۔۔۔ بالآخر یہی سازش تھی جس نے خلافت کے مسئلہ پر نزاع کھڑا کیا اور افراد بنی ہاشم نے ۶ ماہ تک حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔" (ص ۳۰ و ۳۱)

سمجھے آپ یہ "افراد بنی ہاشم" کہہ کر کس پر چوٹ کی اور اس گھناؤنے جرم کو کس مقدس ہستی کے دامن پر لگایا۔ تاریخ میں افراد بنی ہاشم میں سے

سوائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کسی فرد کے بارے میں یہ مذکور نہیں کہ اس نے چھ ماہ تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی ہو اگرچہ ان کے بارے میں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے پہلے ہی دن آپ نے مسجد نبوی میں حاضر ہو کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی تھی۔ تاہم چونکہ چھ ماہ تک آپ بالکل خانہ نشین رہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صدمہ سے نڈھال اور بے جان تھیں آپ ہر وقت ان کی تسلی و دلدہی میں لگے رہتے یا جمع قرآن میں مصروف رہتے تھے اور اپنی ان مصروفیات کی بناء پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشوروں میں شریک نہ ہو سکے تھے اس لئے اس خیال سے کہ کسی کو غلط فہمی نہ ہو آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال فرما جانے پر پھر تجدید بیعت فرمائی تھی لیکن مجلس عثمان غنیؓ کا یہ نقیب اتنی سی بات کو بڑھا کر اس کو نزاع خلافت کا مسئلہ بناتا ہے۔ اور پھر اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ اس کا سلسلہ افک عائشہؓ سے ملا کر ایک طرف تو یہ چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس کا ڈانڈا ابولہب اور اس کی بیوی کی اسلام دشمنی اور عناد سے مل جائے۔ (حالانکہ حضرت عائشہ صدیقہ پر طوفان اٹھانے میں خاندان نبوت افراد بنی ہاشم میں سے کسی فرد کا ذرا سا بھی تعلق نہیں یہ سب اس کی من گھڑت ہے) دوسری طرف اسی سازش کا سلسلہ دراز کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شہید کرنے کا الزام بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کے

سر ڈالنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس کے الفاظ ہیں۔

"بالآخر یہی سازش تھی جس نے خلافت کے مسئلہ پر نزاع کھڑا کیا اور افراد بنی ہاشم نے ۶ ماہ تک حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اسی سازش نے ایران کے مفتوحین کا ایک گروہ مدینہ میں آباد کیا اور خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کو شہید کرایا۔" (ص ۳۱)

حالانکہ مدینہ میں ہرمزان یا اور دوسرے نومسلموں کے آباد کرانے میں نہ کسی کی کوئی سازش تھی نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کسی سازش کے تحت عمل میں آئی تھی مگر کتابچہ میں یہی تحریر ہے کہ

"اسی سازش نے ایران کے مفتوحین کا ایک گروہ مدینہ میں آباد کیا اور خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کو شہید کرایا۔ اب جبکہ نومسلموں اور عرب قریش اور بنی ہاشم کی نئی نسل جوان ہو گئی تھی۔ سازش نے پیر پھیلائے پر پرزے نکالے اور حضرت عثمانؓ کے خلاف کھل کر سامنے آ گئی۔" (ص ۳۲)

حالانکہ تاریخ میں اس بات کا سرے سے کہیں وجود تک نہیں ملتا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جو سازش کی گئی تھی اس میں بنی ہاشم کا کوئی فرد ملوث ہوا ہو۔ مگر مرتب کتابچہ کو اصرار ہے کہ

"مدینہ کے ایک گروہ کی حوصلہ افزائی پا کر کوفہ، بصرہ اور مصر وغیرہ سے کئی ہزار افراد پر مشتمل شر پسندوں اور باغیوں کا گروہ اچانک مدینہ منورہ پہونچ گیا... حضرت عثمان غنیؓ کے مکان کا

محاصرہ کرلیا .... مدینہ میں رہنے والے اکابر حضرت علیؓ وغیرہ خاموشی کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل گئے یا چپ چاپ اپنے گھروں میں بیٹھے رہے۔" (ص ۴)

"ان سرکشوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کے دروازے میں آگ لگادی، اس وقت حضرت عثمان کے دروازے کے سامنے کھڑے مدینہ کے جو افراد بےبسی کے ساتھ یہ کارروائی دیکھ رہے تھے ان میں حضرت علی کے دونوں صاحبزادے حسن اور حسین اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے صاحبزادے محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر شامل تھے۔" (ص ۶)

حالانکہ سب جانتے ہیں کہ مدینہ میں رہنے والے اکابر حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اصلاح حال کی کوششوں میں ذرا کمی نہیں کی۔ وہ برابر اس سلسلہ میں سرگرم ہی رہے اور ان باغیوں کو فتنہ سامانیوں سے باز آنے کی برابر فہمائش کرتے رہے۔ سب سے بڑی مجبوری یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ کی طرف سے باغیوں کے خلاف تلوار اٹھانے کی سختی سے ممانعت تھی ایسی صورت حال میں مدینہ کے رہنے والے اکابر زبانی فہمائش کے علاوہ اور کیا کرتے، تاہم مزید احتیاط کی غرض سے کہ کہیں یہ مظاہرہ، مظاہرہ کی حد سے آگے بڑھ کر کوئی ناگوار شکل اختیار نہ کرلے ان حضرات اکابر نے اپنے اپنے لخت جگر کو (جن کے اسماء گرامی مرتب کے قلم سے بھی نکل گئے ہیں)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر متعین کر دیا۔ مظاہرین کی تیر اندازی سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ خون میں نہا گئے۔ محمد بن طلحہ بھی زخمی ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر کے بھی زخم لگے ان حضرات کی مدافعت کے سبب مظاہرین کو دروازے میں گھسنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ البتہ بعض شرپسند پڑوس کے مکان سے دیوار پھاند کر اوپر پہنچ گئے اور خلیفۂ وقت کو شہید کر ڈالا۔ شور و غل میں جو لوگ دروازہ پر متعین تھے وہ بالا خانہ کی آوازنہ سن سکے جو اوپر جا کر مدد کرتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب اس سانحہ جانکاہ کا علم ہوا تو آپ مسجد سے نکل کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کی طرف ہی آ رہے تھے۔ آپ نے اس خبر وحشت اثر کے سنتے ہی دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔ خدایا میں عثمان کے خون سے بری ہوں۔ پھر آپ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے تو جو لوگ حفاظت پر مامور تھے ان پر سخت برہمی کا اظہار فرمایا۔ حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو مارا محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بھی سخت سرزنش کی کہ تم لوگوں کی موجودگی میں یہ واقعہ کس طرح رونما ہوا۔ ان حضرات نے کہا ہم کیا کر سکتے تھے۔ قاتل دروازے سے نہیں گئے بلکہ مکان کی پشت سے دیوار پھاند کر اندر داخل ہوئے۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود یہی لکھا جا رہا ہے کہ

"اب جبکہ نو مسلموں اور عرب قریش اور بنی ہاشم کی نئی نسل جوان ہو گئی تھی۔ سازشش نے پیر پھیلائے پلاد پر زے نکالے

اور حضرت عثمانؓ کے خلاف نکل کر سامنے آگئی . . . خلیفہ کو
دن دہاڑے . . . . مدینہ میں . . . . ہلاک کر ڈالا گیا جبکہ
مدینہ میں حضرت علیؓ ، حضرت طلحہؓ حضرت زبیر جیسے اکابر
اور حضرت حسینؓ ، حضرت حسن اور حضرت عبداللہ بن زبیر جیسے
نوجوان بنی ہاشم موجود تھے "۔ (ص ۳۱ و ۳۲)

مرتب کا جی چاہتا ہے کہ کسی طرح بھی ہو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون ناحق کا داغ ان مقدس حضرات کے دامن پر لگ جائے چنانچہ اس نے اسی لئے قاتلین عثمانؓ میں محمد بن ابی بکر کا تعارف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کی بجائے "حضرت علی کا ایک سوتیلا بیٹا اور پرورندہ کہہ کر کرایا ہے۔ محمد بن ابی بکر کے بارے میں اتنا تو صحیح ہے کہ وہ قتل کے ارادہ سے ضرور داخل ہوئے تھے۔ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی داڑھی بھی پکڑی تھی، لیکن حضرت عثمان نے جب ان سے فرمایا کہ برادرزادے اگر تمہارے باپ تمہاری اس حرکت کو دیکھتے تو انہیں یہ بالکل پسند نہ آتی تو شرمندہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے تھے۔ انھوں نے دوسرے لوگوں کو بھی قتل سے باز رکھنے کی کوشش کی، لیکن اب معاملہ قابو سے باہر ہو چکا تھا[1]۔ ظاہر ہے کہ جو بے کمال اس فکر میں ہو کہ

---

[1] حافظ ابن کثیر " البدایہ والنہایہ " میں رقمطراز ہیں۔
اور بیان کیا جاتا ہے کہ محمد بن ابی بکر نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کان میں پیکانوں سے وار کیا وہ آپ کے حلق میں اتر گئے حالانکہ صحیح یہ ہے

(بقیہ صفحہ آئندہ)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قتل کی سازش میں بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شریک ٹھہرائے (چنانچہ اسی غرض سے اس نے عبید اللہ بن عمر کی داستان مزے لے لے کر بیان کی ہے) اس سے کس امر میں سچ بولنے کی توقع کی جا سکتی ہے۔

عبید اللہ بن عمر کا اصل واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابو لؤلؤہ نامی مجوسی نے جو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام تھا۔ شہید کر ڈالا تو انھوں نے جوش انتقام سے بے تاب ہو کر قاتل کی کمسن لڑکی اور ہرمزان کو جو ایک نو مسلم ایرانی تھا اور جفینہ کو جو ایک نصرانی ذمی تھا قتل کر دیا۔ کیونکہ ان دونوں کے بارے میں ان کا یہ خیال تھا کہ یہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ قتل میں شریک تھے۔ صحابہ ہر چند ان کو منع

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کہ ایسا کسی اور نے کیا تھا۔ محمد بن ابی بکر تو اسی وقت شرما کر واپس لوٹ گئے تھے جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا تھا کہ تم نے اس ڈاڑھی پر ہاتھ ڈالا ہے جس کی تمہارے باپ عزت کیا کرتے تھے۔ بس اتنا سننا تھا کہ ان پر ندامت طاری ہو گئی اپنا منہ چھپا کر واپس ہو گئے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں آڑے بھی آئے لیکن اس کا کچھ فائدہ نہ ہوا۔ امر الٰہی پورا ہو کر رہا۔ تقدیر میں یوں ہی لکھا تھا۔

ویروی ان محمد بن ابی بکر طعنہ بمشاقص فی اذنہ حتی دخلت فی حلقہ والصحیح ان الذی فعل ذلک غیرہ، وانہ استحیی ورجع حین قال لہ عثمان لقد اخذت بلحیۃ کان ابوک یکرمہا فتذمم من ذلک وغطی وجھہ ورجع وحاجز دونہ فلم یفد، وکان امر اللہ قدرا مقدورا وکان ذلک فی الکتاب مسطورا۔ ج۷، ص۱۸۵، طبع بیروت ۱۹۶۶ء

کرتے رہے لیکن ان کا غصہ ٹھنڈا ہونے کو نہ آیا۔ آخر حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیجا۔ انھوں نے بڑی خوشامد سے تلوار ان کے ہاتھ سے لی اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس حرکت پر ان کو سرزنش کی تو ان کے ساتھ بڑی گستاخی سے پیش آئے[1] چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے ان کو اسی روز حوالات میں بند کر دیا گیا[2]۔ پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے ان کے بارے میں صحابہ سے مشورہ طلب کیا خود حضرت عثمان اور عام مہاجرین کی رائے یہی تھی کہ ان کو قصاص میں قتل کر دیا جائے[3]۔ بنو ہاشم

---

[1] ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۵۰ طبع بیروت ۱۹۵۷ء [2] حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ عبید اللہ کو حوالات میں بند کر دیا جائے تاکہ آپ کے بعد جو شخص خلیفہ ہو وہ انکے بارے میں اپنا فیصلہ نافذ کر سکے۔

وقد کان عمر قد امر بسجنه لیحکم فیه الخلیفة من بعده (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۴۸)

[3] طبقات ابن سعد میں ہے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپ نے مہاجرین و انصار کو طلب کر کے فرمایا کہ مجھے اس شخص کے بارے میں جس نے دین میں یہ رخنہ برپا کر دیا ہے مشورہ دیجئے تو سب مہاجرین یک زبان ہو کر عبید اللہ کے قتل کر دینے کے سلسلہ میں حضرت عثمان کی تائید کرنے لگے۔

فلما استخلف عثمان دعا المهاجرين والانصار فقال اشيروا علیّ فی قتل هذا الرجل الذی فتق فی الدین ما فتق، فاتفق المهاجرون علی کلمة واحدة یشایعون عثمان علی قتله (ج ۳ ص ۳۵۶)

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس بارے میں کچھ تخصیص نہیں مگر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کوشش سے قصاص کی بجائے "دیت" پر معاملہ طے ہوکر قضیہ رفع دفع ہو گیا اور یہ بالکل غلط[1] ہے جو اس کتابچہ میں درج ہے کہ

"جب حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھ پر باغیوں نے بیعت کی تو پہلی کارروائی یہی کی گئی کہ عبید اللہ بن عمر کو "دیت" پر رہا کر دینے کا حضرت عثمان کا فیصلہ منسوخ کیا گیا اور عبید اللہ بن عمر کو ہرمزان کے قتل کے بدلے قتل کر دینے کا حکم جاری کیا گیا۔ (ص ۴۴)

اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ

حضرت عثمانؓ جب خلیفہ منتخب ہو گئے تو بجائے اس کے کہ مسلمانوں کے عظیم سربراہ اور محمد رسول اللہؐ کے خاص صحابی حضرت عمرؓ کے قتل کی باقاعدہ تحقیق کر کے اس سازش میں ملوث تمام دوسرے افراد کے خلاف عمل کارروائی کا مطالبہ کیا

---

[1] حافظ ابن تیمیہ "منہاج السنہ" میں فرماتے ہیں

کاش مجھے دکھیں سے) یہ پتہ چل جاتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کب عبید اللہ کے قتل کا ارادہ کیا؟ اور کب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عبید اللہ کے قتل پر قابو ملا؟ اور کب ان کو اتنی فرصت ملی کہ وہ عبید اللہ کے معاملہ پر غور کرتے؟

یالیت شعری متی عزم علی علی قتل عبید اللہ، ومتی تمکن علی من قتل عبید اللہ ومتی تفرغ حتی ینظر فی امرہ (ص ۲۰۲ ج ۳ طبع بولاق مصر ۱۳۲۲ھ)

جاتا بنو ہاشم اور حضرت علی کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ عبید اللہ بن عمر کو ہرمزان کے قتل کے بدلہ میں قتل کر دیا جائے۔ (ص ۲۳)

ہرمزان وغیرہ کے بدلہ میں عبید اللہ بن عمر کے قتل کا مطالبہ بنو ہاشم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے نہیں ہوا بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود مہاجرین و انصار کو بلا کر ان سے مشورہ طلب کیا کہ عبید اللہ کو قصاص میں کیوں نہ قتل کر دیا جائے۔

اور یہ جو لکھا ہے کہ

"بجائے اس کے کہ . . . حضرت عمر کے قتل کی باقاعدہ تحقیق کر کے اس سازش میں ملوث تمام افراد کے خلاف مکمل کارروائی کا مطالبہ کیا جاتا" (ص ۲۳)

خود اس جھوٹ کی قلعی کھول دینے کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ اگر واقعی کوئی سازش تھی اور بالفرض بنو ہاشم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا مطالبہ کیا تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو از خود اس کی باقاعدہ تحقیق کرنا چاہئے تھی اور صحابہ کو بھی ان سے یہ مطالبہ کرنا چاہئے تھا کہ اس سازش میں ملوث تمام دوسرے افراد کے خلاف مکمل کارروائی کی جائے۔ بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قتل کی سازش ہو اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی تحقیق نہ کریں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ خود حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے وقوعہ کے روز ہی اس کی تحقیق کرا لی تھی کہ آپ پر حملہ کسی کی سازش کے نتیجہ میں نہیں ہوا۔" مجلس عثمان غنی نے کہ

نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تحقیقات پر اعتماد ہے اور نہ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عدالت کا فیصلہ تسلیم ہے کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت میں کسی مسلمان کا ہاتھ نہیں" بلکہ فردِ جرم خود عبید اللہ بن عمر کے خلاف عائد کی گئی کہ انھوں نے اشتعال میں آکر خون ناحق کا ارتکاب کیا لہٰذا مقتول کی "دیت" ادا کی جاتی ہے یہ ہے اسلام کے قانون انصاف کا تقاضا جو باجماع صحابہ ہوا۔ دنیا میں ایسے انصاف کی مثالیں کم ملیں گی مگر اس "مجلس" پر افسوس کہ جس نے اکابر صحابہ کرام پر افتراء پردازی کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔

اسی طرح یہ بھی سراسر افتراء اور محض جھوٹ ہے جو ولید بن عقبہ کی طرف منسوب کر کے نقل کیا ہے کہ

"بنی ہاشم اپنے بھانجے کے خون آلود ہتھیار واپس دیدو اس کا مال نہ لوٹو یہ تمہیں جائز نہیں ہے" الخ (ص ۱۵)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مال و اسباب اور ہتھیار تو بڑی بات ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو تمام باغیوں کے مال و اسباب لوٹنے تک کو منع فرمایا ہے اور فقہ اسلامی کی تمام کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کے قول و عمل سے اس بارے میں سند لی جاتی ہے کہ باغیوں کے مال و اسباب سے قطعًا تعرض نہ کیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ مفتریوں کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ آمین

ظاہر ہے کہ "مجلس" کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس درجہ غیظ ہو کہ وہ ہر قسم کی جھوٹی تہمت حضرت ممدوح کے سر منڈھ دینے سے ذرا باک نہ کرے

اس کے نقیب سے یہ توقع رکھنا کہ وہ حضرت موصوف کو خلیفہ برحق ماننا
محض عبث ہے اسی لئے اس کے الفاظ ہیں۔

"باغی جب حضرت عثمان کو شہید کرنے کے مقصد میں
کامیاب ہو گئے اور مدینہ میں جتنا فساد وہ کرنا چاہتے تھے
کر چکے تو . . . سب کے سب حضرت علی کے گرد و پیش جمع
ہو گئے اور ان پر زور دیا کہ وہ اپنی خلافت کے لئے بیعت
لیں۔ اہل مدینہ کو بھی مجبور کیا کہ وہ حضرت علی کے ہاتھ پر
بیعت کریں۔ (ص ۱۰)

لیجئے قصہ ختم حضرت علی رضی اللہ عنہ باغیوں کے بزور بنائے ہوئے خلیفہ اور امام تھے، اہل مدینہ نے بھی مجبوراً ان سے بیعت لی۔ اہل السنۃ و الجماعت خواہ مخواہ ان کو خلیفہ برحق جانتے ہیں۔ کسی نے خوشی سے ان سے بیعت ہی نہیں کی۔ یہ بات اب تیرہ سو پچاس [۱۳۵۰] برس کے بعد "مجلس عثمانی" نے اپنی پہلی سعی و کوشش سے ثابت کر دی جو

"حضرات صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کے بارے میں
پھیلائی جانے والی بدگمانیوں اور غلط بیانیوں کو مؤثر
طور پر زائل کرنے اور مسلمان امت کی صحیح تاریخ منظر عام
پر لانے کے لئے قائم کی گئی ہے جس کی پہلی خدمت آپ کے
سامنے ہے۔ (ص ۲)

اتنا سارا جھوٹ بولنے کے باوجود جرأت کا یہ عالم ہو کہ اس کتابچہ کے مآخذ کی تفصیل

بھی دی ہے جو یہ ہے۔

قدیم مآخذ۔ الطبری، المسعودی، الیعقوبی، ابن خلدون، اخبار الطوال ابوحنیفہ دینوری، التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمان، ابوبکر محمد بن یحییٰ اشعری

جدید مآخذ۔ دائرۃ المعارف، مقالہ پروفیسر رفیق بک عظیم، ریاض النضرہ محب طبری، المحاضرات استاذ محمد خضری بک۔ عثمان بن عفان محمد رضا مصری۔

لیکن جھوٹ کے پیر کہاں کیا مجال جو کسی ایک جگہ بھی کسی کتاب کا کوئی حوالہ درج کیا ہو اور کتابوں سے مرتب کی واقفیت کا اندازہ تو اسی ایک بات سے ہو سکتا ہے کہ وہ محب طبری کی کتاب الریاض النضرہ کو جدید مآخذ میں شمار کرتا ہے

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

اللہ تعالیٰ سارے مسلمانوں کو اس مجلس کی شر سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

"مجلس عثمان غنیؓ" نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بارے میں جو فسانہ تیار کرایا ہے، اس فسانہ کی ترتیب میں اس کے مرتب جناب احمد حسین کمال نے اصل کمال یہ دکھایا ہے کہ ان اکابر صحابہ پر تو جن کا شرافت کے نزدیک برگزیدہ ترین ہستیوں میں سے خوب دل کھول کر طعن و طنز کیا ہے لیکن جس ذات شریف کی اشتعال انگیز حرکات سے یہ واقعہ حزن انگیز وقوع پذیر ہوا، اس کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

"محاصرہ کے چالیسویں دن ان سرکشوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کے دروازے میں آگ لگا دی دروازے میں جوں ہی آگ لگی اور شعلے بلند ہوئے حضرت عثمان کے

دامادا اور کاتب مروان تلوار لے کر باہر نکلے تاکہ باغیوں کو آتش زنی
کی کاروائی سے روکیں۔ باغیوں نے مروان پر حملہ کر دیا۔ ابن النباع
نے آگے بڑھ کر مروان کو نشانہ بنانا چاہا لیکن مروان کی تلوار نے اس کا
کام تمام کر دیا۔ مروان کافی دیر تک باغیوں سے نبرد آزما رہے
لیکن باغیوں نے انہیں دھکیل کر فاطمہ بنت اوس کے مکان میں
بند کر دیا۔" (ص ۲۷۷)

اس امر کا تو ہمیں بھی اعتراف ہے کہ واقعی مجلس کے ممدوح شیر بہادر نے اس روز بہادری خوب دکھائی تھی۔ مگر قدرت کی اس ستم ظریفی کا کیا علاج کہ جناب مروان نے اس روز جتنے زخم کھائے سب پیچھے یعنی گدی کی طرف کھائے۔ چنانچہ اس بہادری کے صلہ میں اسی روز سے تاریخ میں جناب کا لقب "مضروب القفا"[1] پڑ گیا اور "خیط باطل" (جھوٹ کا دھاگا) کا خطاب تو پہلے ہی سے حاصل تھا اور کیوں نہ ہوتا جناب نے اپنی ذہانت سے کارروائی ہی ایسی فرمائی تھی کہ جس سے اصلاح کی بنی بنائی صورت حال بگڑ کر فوری اشتعال پیدا ہو گیا اور پھر کسی کے سنبھالے نہ سنبھل سکا۔ اور آخر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر منتج ہوا

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حافظ ابن کثیر "البدایہ والنہایہ" میں رقمطراز ہیں

وھو (مروان) کان اکبر	حضرت عثمان رضؓ کے محاصرہ کا بڑا سبب مروان ہی تھا کیونکہ
الاسباب فی حصار	اسی نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے ایک
عثمان لانہ زور علی	جعلی خط مصر کو روانہ کیا تھا جس میں یہ حکم تھا کہ اس وفد کو

[1] جس کی گدی پر ضرب رسید کی گئی ہو۔

لما انه كتب كتابًا الى مصر	قتل کردیا جائے (جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
بقتل اولئك الوفد	طرف سے محمد بن ابی بکر کی سرکردگی میں مصر کی طرف ان کی
(ج ۳ ص ۲۵۹)	گورنری کا پروانہ لے کر جا رہا تھا)

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

وكان كاتب الحكم بين يديه	مروان حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی کا فیصلہ نویس
ومن تحت راسه جرت قضية	تھا آپ کی حویلی کا قضیہ جس میں آپ کی شہادت واقع ہوئی)
الدار وبسببه حصر عثمان بن	اسی کے دماغ کی اپج تھا۔ اسی کے سبب سے حضرت عثمان بن عفان
عفان فيها (ج ۸ ص ۲۵۸)	رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی حویلی میں محصور کیا گیا۔

اور حافظ شمس الدین ذہبی "سیر اعلام النبلاء" میں فرماتے ہیں۔

وكان كاتب ابن عمه عثمان واليه	مروان اپنے برادر عم زاد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا
الخاتم فخانه واجلبوا بسببه	کاتب تھا۔ اسی کے پاس آپ کی مہر رہتی تھی۔
على عثمان ثم نجا هو۔	اس نے حضرت ممدوح کے ساتھ خیانت کی۔ چنانچہ اس کے
(ج ۳ ص ۴۷۶) طبع دار المعارف،	سبب مخالفین لوگوں کو حضرت عثمانؓ پر چڑھا لائے اور خود
مصر)	یہ خود بچ گیا۔

لفظ "پنجتن" اب اردو ادب میں مقدس ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس لفظ کے سنتے ہی ذہن ان پانچ مقدس ہستیوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جن کے اسمائے گرامی کو حضرت ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ نے جو کبار اولیاء میں سے ہیں اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کے پیر طریقت ہیں اس دعائیہ قطعہ میں نظم فرما دیا ہے۔

یارب بمحمد و علی و زھرا یارب بحسین و حسن آل عبا
از لطف برآر حاجتم در دو سرا بے منت خلق یا علیؓ الاعلیٰ

مگر اس کتابچہ کے مرتب نے محض شیعوں کی ضد میں لفظ "پنجتن" کا استعمال ان پانچ افراد کے لئے کیا ہے جنھیں وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل بتاتا ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۸) اور پھر ان ہی "پنجتن" کے زمرہ میں اس نے حضرت عمرو بن حمق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی نام لیا ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشہور صحابی ہیں۔ چنانچہ اس کتابچہ کے الفاظ ہیں۔

"اس (محمد بن ابی بکر) کا تیسرا ساتھی عمرو بن حمق حضرت عثمان کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا، اور آپ کے سینہ پر خنجر کے نو چرکے لگائے (ص۹)

حضرت عمرو بن حمق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ ان تمام کتابوں میں مذکور ہے جو صحابہ کے حالات میں مدون ہوئی ہیں، مسند امام احمد بن حنبل، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور حدیث کی دوسری کتابوں میں ان کی وہ روایتیں موجود ہیں جو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی تھیں۔ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے پہلے مشرف باسلام ہوگئے تھے اور صلح حدیبیہ کے بعد انھوں نے ہجرت کی تھی۔

علماء محققین نے تصریح کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون ناحق میں کسی صحابی کی شرکت ثابت نہیں چنانچہ علامہ عبد العلی بحر العلوم فرنگی محلی "فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت" میں رقمطراز ہیں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل بہت بڑے کبیرہ	اعلموا ان قتل امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ من اکبر الکبائر

فانه امام حق، وقد اخبر رسول الله
صلى الله عليه وعلى آله واصحابه وسلم
بأنه يقتل مظلوماً، وقد افنى عمره
في طاعة الله تعالى ورسوله صلى الله
وآله واصحابه وسلم، ولم يدخل احد من
الصحابة رضوان الله عليهم في قتله
رضي الله عنه ولم يرض به احد منهم
ايضاً بل جماعة من الفساق اجتمعوا
كاللصوص وفعلوا ما فعلوا، وانكر
الصحابة كلهم كما ورد في الاخبار
الصحاح، فالداخلون في القتل
او الراضون به فاسقون البتة
لكن لم يكن فيهم واحد من الصحابة
كما صرح به غير واحد من اهل
الحديث. (ص ۲۳ طبع نولکشور لکھنؤ ۱۳۲۶ھ)

گناہوں میں سے ہے۔ کیونکہ آپ خلیفہ برحق تھے۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے پہلے ہی یہ خبر دیدی تھی کہ یہ مظلوم قتل کئے جائیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ساری زندگی حق تعالیٰ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طاعت میں بسر کی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے کوئی ایک شخص بھی نہ تو ان کے قتل میں شریک تھا اور نہ ان کے قتل ہو جانے پر راضی بلکہ فاسقوں کی ایک ٹولی نے چوروں کی طرح اکٹھا ہو کر جو کرنا تھا کر ڈالا سارے صحابہ نے جیسا کہ صحیح روایتوں میں آتا ہے اس فعل شنیع پر نکیر کی ہیں جو لوگ بھی آپ کے قتل میں شریک تھے یا اس پر راضی ہوئے وہ سب یقیناً فاسق ہیں، لیکن یاد رہے) ان قاتلوں میں جیسا کہ بہت سے محدثین نے تصریح کی ہے صحابہ میں سے کوئی ایک فرد بھی شریک نہ تھا

اس کتابچے کے صفحہ دوم پر یہ دو شعر بھی مرقوم ہیں۔

چوں محافظ مصحف خدا است غنی — دین است غنی و دین پناہ است غنی
سر داد و نداد دست در دست یہود — حقا کہ بنائے لا الہ است غنی

چونکہ شیعہ حضرات اپنی مجالس میں اکثر یہ دو شعر پڑھا کرتے ہیں۔

شاہ است حسین و بادشاہ است حسین دین است حسین و دین پناہ است حسین
سرداد و نداد دست در دست یزید حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

اس لئے "مجلس عثمان غنیؓ" نے بھی شیعوں کے مقابلہ میں یہ تنگ نظری کی ہے جو سراسر جذباتی ہے۔ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے اگر "بناء لا الہ" حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو سکتے ہیں تو پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیوں نہیں ہو سکتے؟ آخر "مجلس عثمان غنیؓ" کے اس ادعا اور شیعوں کے اس ادعا میں اصولاً فرق کیا ہے؟ اور اگر شیعوں نے اس بارے میں غلو سے کام لیا ہے تو "مجلس عثمان غنیؓ" غلو سے کب خالی رہی؟

پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت میں یہ کہنا کہ

سرداد و نداد دست در دست یہود

کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ جب کہ مرتب رسالہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف جو شورش برپا ہوئی اس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بنو ہاشم کو ملوث قرار دیتا ہے۔ چنانچہ اس نے "شہادت عثمان غنیؓ پر رنج والم کے جذبات" کے زیر عنوان مختلف مراثی کا جو ترجمہ نقل کیا ہے اس میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کی زبان سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

"کاش کوئی پرندہ بھی مجھے یہ خبر دیتا کہ یہ عثمان و علی کا کیا قصہ رونما ہو گیا۔"[1]

[1] حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو۔

گویا مرتب کتابچہ کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ حضرت عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی باہمی نزاع کا نتیجہ تھا اسی طرح ولید بن عقبہ کی زبانی یہ نقل کیا ہے کہ

"اے بنو ہاشم اپنے بھانجے (عثمان) کے ہتھیار واپس کر دو، اس کا مال نہ لوٹو، یہ تمہیں جائز نہیں ہے، بنی ہاشم قیادت کے معاملہ میں جلدی نہ کرو، عثمان کے قاتل اور اس کا مال لوٹنے والے یکساں مجرم ہیں" (ص ۱۵)

معلوم ہوا مرتب کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مال اور ہتھیار لوٹنے والے سب بنو ہاشم تھے اور وہی قیادت کے بارے میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جھگڑ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ بنو ہاشم کے سربراہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی تھے۔ نیز مرتب نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ نائلہ کا وہ خط بھی نقل کیا ہے جو انھوں نے جناب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام لکھا تھا اور جس میں یہ تصریح تھی کہ

"اہل مصر کی قیادت محمد بن ابی بکر اور عمار بن یاسر کر رہے تھے" (ص)

اب "محبین عثمان غنی" یہ بتلائیے کہ اس کے خیال میں محمد بن ابی بکر حضرت

(حاشیہ متعلقہ صفحہ گذشتہ) ؎ حالانکہ جس شعر کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے وہ سراسر الحاقی ہے جس کو اہل شام نے محض حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدنام کرنے کی غرض سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اس مرثیہ میں شامل کر دیا ہے (ملاحظہ ہو اسد الغابہ از حافظ ابن الاثیر جزری ترجمہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بنی ہاشم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کیا نعوذ باللہ یہ سب کے سب یہودی تھے؟ جو یہ کہا جا رہا ہے کہ

مرد او ونداد دست در دست یہود

اگر یہ سب حضرات "مجلس عثمان غنیؓ" کے خیال میں یہودی تھے تو پھر یہ بتایا جائے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے جہاد کیوں نہ کیا؟ کیا اسلام میں یہود سے جہاد کی ممانعت ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو باوجود اپنے ہمراہیوں کی قلیل تعداد ہونے کے یزیدی لشکر سے جہاد کیا تھا جو اگر کافر نہیں تو ظالم ضرور تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود با اقتدار خلیفہ ہونے کے "مجلس عثمان غنیؓ" کے مزعومہ یہودیوں کے خلاف جو اب یہودی نہیں بلکہ (العیاذ باللہ) مرتد ہو چکے تھے کیوں جہاد نہ کیا! آخر مجلس مذکورہ گمراہی میں اس حد تک کیوں آگے بڑھ گئی ہے کیا شیعوں کا انتقام حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کے خاندان اور متعلقین و اصحاب سے بھی لینا ضروری ہے۔ نعوذ باللہ من الضلال والاضلال۔

زیر نظر کتابچہ "حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کیوں اور کیسے"۔ "مجلس عثمان غنیؓ" کو ایسا پسند آیا اور مرغوب خاطر ہوا کہ جلد ہی مجلس نے اس کی تلخیص بھی "شہادت عثمان غنیؓ" کے نام سے شائع کی، جو "افریشیا پرنٹنگ پریس کراچی" میں طبع ہوئی ہے اور چھوٹی تقطیع کے ۱۶ سولہ صفحات پر مشتمل ہے مگر اب کی بار اتنی ہوشیاری کا ثبوت دیا ہے کہ تلخیص کرتے وقت یہ کوشش کی ہے کہ اتنا جھوٹ بولا جائے جس کو لوگ آسانی سے

یاد کر سکیں۔ اور ایسے کھلم کھلا جھوٹ اور بہتان سے احتراز کیا جائے جس کو صحیح ماننے پر کسی بھلے مانس کا ضمیر تیار نہ ہو۔ اس تلخیص اور اصل میں بس فرق ہے تو اتنا ہی ہے۔ اصل کی طرح "تلخیص" میں بھی ان ہی مآخذ کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اصل میں

"حضرت عثمان کی بیعت خلافت کی تاریخ نومبر ۶۴۴ء مطابق ذی الحجہ ۲۳ ہجری دوشنبہ کے دن" (ص ۲۱)

لکھی ہے مگر "تلخیص" کے سرورق پر تاریخ "آغاز خلافت ۳ محرم ۲۴ھ" مرقوم ہے۔ دونوں تاریخوں میں جو کھلا تضاد ہے اس کا علاج غالباً ڈاکٹر صاحب کے ذہن رسا ہی میں ہوگا۔

یہ ہے "مجلس عثمان غنیؓ" کی پہلی کوشش کا جائزہ جس کا اشتہار "داستان کربلا" کے ص ۲ پر ان الفاظ میں دیا گیا ہے۔

مجلس حضرت عثمان غنیؓ کی اولین پیش کش

شہادت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

تالیف ڈاکٹر احمد حسین کمال

"تاریخ اسلام کے اس المناک سانحہ سید الشہداء امام مظلوم داماد رسول خلیفہ الجلیل سیدنا حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی اس درد انگیز اور سازشانہ شہادت پر ایک محققانہ مقالہ جس کے نتیجہ میں امت مسلمہ کا اتحاد و اتفاق گم ہو کر رہ گیا۔ جس کے قصاص میں غفلت برتنے پر برسوں خلافت کا نظام درہم برہم رہا"

"سید الشہد" اور "امام مظلوم" کے الفاظ شیعوں سے لئے گئے ہیں، حدیث میں "سید الشہداء" کے الفاظ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں وارد ہوئے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم تھے اور جنگ احد میں شہید ہوئے۔ اس اشتہار سے بھی یہ بات واضح ہوئی کہ "مجلس عثمان غنی" کے عقیدے کے مطابق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ منصب خلافت پر ہی فائز نہ تھے کیونکہ

"حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص میں غفلت برتنے پر برسوں خلافت کا نظام درہم برہم رہا"

یہ اس مجلس کی پہلی کوشش ہے کہ جس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ کیسی خطرناک کوشش ہے جو عام مسلمانوں کے ذہن کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرف سے بدظن کرنے کے لئے کی جارہی ہے اور پھر صحابہ ہی کے نام پر کی جارہی ہے اور سنی بن کر کی جارہی ہے۔ ہر درد مند حساس مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس فریب کا پردہ چاک کرے۔ دینی جرائد اور مجلات کے مدیر دل اور دیگر اہل سنت ارباب قلم کو بھی اس طرف توجہ کرنا چاہئے۔ اور قبل اس کے کہ یہ فتنہ عوام میں جڑ پکڑ کر برگ وبار لائے اس کا قلع قمع ہونا چاہئے۔

اصل میں بات یہ ہے کہ بعض نادان مسلمان روافض کے سب وشتم اور تبرا بازی سے تنگ آکر جواباً ان ہی کی روش اختیار کرنا چاہتے ہیں، روافض اگر حضرات خلفاء ثلاثہ ابوبکر وعمر وعثمان و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر طعن کرتے ہیں اور ان کی تحقیر و توہین میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے

توان کا بھی جی چاہتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ پر طعن کیا جائے
حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تحقیر کی جائے اور جن صحابہ کرام رضی
اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ رہ کر باغیوں سے
جہاد کیا ہے ان پر کیچڑ اچھالی جائے۔ اب ظاہر ہے کہ تاریخ اسلام تو
ان حضرات صحابہ کرام کے محاسن سے بھری ہوئی ہے پھر ان کے مطاعن
و مثالب کہاں سے لائے جائیں سو اس کے لئے ان نادانوں نے اپنے
پیش رو روافض کی تقلید میں جھوٹ پر کمر باندھی ہے، روافض حضرات
خلفاء ثلاثہ اور عام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر افتراء کرتے ہیں، یہ
نواصب حضرت علی، حضرات حسنین اور ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
پر جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھے طرح طرح کے بہتان باندھتے ہیں
تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ جس طرح وہ روافض سے کنارہ کش رہتے ہیں اور
صحابہ کرام کے بارے میں ان کی ایک نہیں سنتے اسی طرح ان نواصب
کی بھی کسی خرافات پر دھیان نہ دیں۔ صحابہ کرام کی تنقیص اور تحقیر کا جہاں
تک تعلق ہے اس بارے میں نواصب اور روافض دونوں کا ایک ہی حکم ہے
دونوں سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ عام مسلمانوں کو برا بھلا کہنا
اور ان کی تحقیر کرنا درست نہیں تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب
اور آپ کے جاں نثاروں اور اہل خاندان پر زبان درازی کتنی بری بات ہے
ان بزرگوں کی شان میں گستاخی کرنا سراسر فسق اور بہت بڑا گناہ ہے اللہ تعالیٰ
سب مسلمانوں کو اس گناہ سے بچائے اور ان حضرات کی محبت اور عظمت

ہمارے دلوں میں پیدا فرمائے آمین۔

"مجلس عثمان غنیؓ" کی اس کوشش کو غور سے دیکھا جائے تو حقیقت میں یہ رفض ہی کی تائید ہے کیونکہ رافضی بھی تو یہی کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرات خلفاء ثلاثہ کے مخالف تھے۔ انھوں نے ان تینوں میں سے کسی سے بھی اپنی خوشی سے بیعت نہیں کی۔ دل سے ہمیشہ ان کے مخالف ہی رہے۔ اور ان تینوں کی خلافت کی بیخ کنی میں مصروف رہے۔ روافض چونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بلا فصل معصوم اور مفترض الطاعت مانتے ہیں اس لئے وہ حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نعوذ باللہ غاصب اور منافق سمجھتے ہیں۔

مگر حیف ہے "مجلس عثمانؓ" پر کہ اس نے بھی اس کتابچہ کے ذریعہ یہی ثابت کیا ہے کہ یا واقعی جو کچھ وہ کہتے ہیں سچ بات ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تو نعوذ باللہ تعالیٰ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جو تہمت لگائی گئی اس کی سازش میں شریک تھے۔ اسی سازش کے نتیجہ میں آپ نے چھ ماہ تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی، اسی سازش نے ایران کے مقتولین کا ایک گروہ مدینہ میں آباد کر کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرایا۔ یہی سازش تھی جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف مکمل کر کے سامنے آگئی اور آپ کو شہر مدینہ میں ہلاک کر ڈالا گیا۔ اب خود ہی سوچئے کہ کوئی رافضی بھی اس سے زیادہ اور کیا کہے گا۔ فرق بس اتنا ہے کہ روافض اپنے زعم باطل کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مخالفت کی بنا پر حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر کے درپے ہیں اور "مجلس عثمان غنیؓ" اپنے افتراء کے مطابق اس مزعومہ سازش کا

ڈانڈا ابولہب اور اس کی بیوی کی اسلام دشمنی اور عناد سے ملا کر اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس سازش میں شریک قرار دیکر نعوذ باللہ آپ کو اسلام سے خارج قرار دینا چاہتی ہے۔ پھر اس خرافات کا نام جو سراسر من گھڑت اور جھوٹ ہے۔ بجائے تلبیس کے تحقیقات رکھدیا گیا دنیا میں اس سے زیادہ ظلم اور بے حیائی کی اور کوئی مثال ہو سکتی ہے۔ یہ محققانہ مقالہ نہیں جھوٹا افسانہ ہے۔ موجودہ دور کے ملحدوں، کمونسٹوں اور منکرین حدیث نے اپنی پوری توانائیاں اس امر پر صرف کر رکھی ہیں کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو ان کے عقائد سے برگشتہ کیا جائے۔ اس سلسلہ میں ان کا پہلا اقدام یہی ہوتا ہے کہ اسلامی تاریخ پر ہاتھ صاف کیا جائے اور مسلمانوں کا اعتماد اس پر سے اٹھایا جائے۔ تاریخ اسلام میں جو محبوب شخصیتیں ہیں ان کو مجروح کیا جائے ان کے کردار میں طرح طرح کے کیڑے نکالے جائیں اور جو شخصیتیں نفرت کا نشان رہی ہیں ان کی عظمت بٹھائی جائے۔ ان کی خوبیاں گنائی جائیں۔ اسی غرض سے یہ لوگ مروان اور یزید کے ڈھولنے ہیں۔ اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کی عیب چینی کرتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرا اقدام حدیث و سیرت سے بے اعتمادی کا اظہار ہے۔ اور پھر قرآن پاک کی من مانی تاویلیں کر کے دین متین کو مسخ کرنا ہے۔ یہ سب اقدامات بتدریج کئے جاتے ہیں اور اس طرح کئے جاتے ہیں کہ عام آدمی کا ذہن فوری طور پر اس سازش کی طرف منتقل نہیں ہوتا اور وہ شروع میں اس کو ایک اصلاحی اور تحقیقی کام سمجھنے لگتا ہے۔ حالانکہ درحقیقت یہ ایک بہت بڑے فتنہ کی بنیاد ہوتی ہے جو بالآخر الحاد اور بے دینی

پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اس ناپاک کوشش کو شروع ہی میں ناکام بنادیں تاکہ اس کے برے اثرات سادہ لوح عوام کے ذہنوں پر مرتب نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان ملحدوں اور دروغ بافوں کے شر سے تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھے آمین یارب العالمین۔

مجلس کے شائع کردہ اس کتابچہ پر دوبارہ غور کیجئے۔ اول سے آخر تک پڑھ جایئے اور دیکھئے کہ کیا اس میں کہیں بھی کسی صحابی کے بارے میں پھیلائی جانے والی کسی بدگمانی اور غلط بیانی کو زائل کرنے کی کوئی ادنیٰ سی بھی کوشش کی گئی یا اس غلط ادعا کے برخلاف اس کتابچہ میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد اہل سنت کے نزدیک امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے افضل ترین فرد ہیں۔ الزام تراشی کی گئی ہے۔ اور حضرت زبیر و حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر جن کا شمار "عشرہ مبشرہ" میں ہے یعنی ان دس حضرات میں جن کو جیتے جی زبان رسالت سے جنتی ہونے کا مژدہ ملا تھا۔ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما پر جو جوانان جنت کے سردار ہیں اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور محمد بن طلحہ رحمہ اللہ پر طعن و طنز ہے۔ اور اس کے بعد سوچئے کہ یہ مجلس ان حضرات پر طعن و تشنیع کے ذریعہ اسلام کی کون سی قد ملت انجام دینا چاہتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ نے "تفہیمات الٰہیہ" میں عقائد اہل السنۃ والجماعۃ پر ایک چھوٹا سا رسالہ قلمبند فرمایا ہے جس میں

حضرات صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں اہل حق جو عقیدہ رکھتے ہیں اس کی تفصیل ان الفاظ میں سپرد قلم فرمائی ہے

ونشهد بالجنة والخير للعشرة المبشرة، وفاطمة وخديجة وعائشة والحسن والحسين رضي الله عنهم ونوقرهم ونعترف بعظم محلهم في الاسلام وكذلك اهل بدر واهل بيعة الرضوان

اور ہم حضرات عشرہ مبشرہ [لہ]، حضرت فاطمہ، حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سب حضرات کے حق میں ان کے جنتی اور برگزیدہ ہونے کی شہادت دیتے ہیں، ان کی توقیر کرتے ہیں اور اسلام میں جو ان حضرات کا بڑا درجہ ہے اس کا اعتراف کرتے ہیں اور اسی طرح سے ان حضرات کے بارے میں بھی کہ جو غزوہ بدر اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے۔

وابوبكر الصديق امام حق بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم عمر ثم عثمان ثم علي رضي الله عنهم

اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ برحق حضرت ابوبکر صدیق تھے پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم پھر خلافت نبوت کی مدت پوری ہوگئی اور اس کے بعد

لہ ان حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں (۱) ابوبکر صدیق (۲) عمر فاروق (۳) عثمان ذی النورین (۴) علی مرتضیٰ (۵) ابو عبیدہ بن الجراح (۶) عبدالرحمن بن عوف (۷) طلحہ بن عبیداللہ (۸) زبیر بن العوام (۹) سعد بن ابی وقاص (۱۰) سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم کسی فارسی شاعر نے حسب ذیل قطعہ میں ان حضرات کے اسمائے گرامی کو نظم کردیا ہے۔

دہ یار بہشتی اند قطعی بوبکر و عمر عثمان و علی
سعد است و سعید و بوعبیدہ طلحہ است و زبیر و عبدرحمٰن

ثم تمت الخلافة وبعدها ملك عضوض، وابوبکر رضی الله عنه افضل الناس بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم عمر.... ونکف السنتنا عن ذکر الصحابة الا بخیر وهم ائمتنا وقادتنا فی الدین وسبهم حرام وتعظیمهم واجب (ج۔ ۱ ص ۲۱ طبع مجموعہ شائع کردہ مجلس علمی ڈابھیل)

کاٹ کھانے والی بادشاہی کا دور شروع ہوا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل ہیں، اور پھر آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں بجز ان کے ذکر خیر کے ہم اپنی زبانیں بند رکھیں گے۔ وہ دین میں ہمارے پیشوا اور مقتدا ہیں۔ ان کو برا کہنا حرام ہے اور ان کی تعظیم کرنا واجب ہے

اللہ تعالیٰ ان تمام ملحدوں اور دروغ بافوں کے شر سے کہ جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں مسلمانوں کے ذہن کو مسموم کرنا چاہتے ہیں ساری امت محمدیہ کو بچائے آمین یا رب العالمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی سید المرسلین سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

محمد عبد الرشید نعمانی
۵ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ

شہداءِ کربلا رضی اللہ عنہم پر افتراء

شہادت حسین رض کے بارے میں
ایک خود ساختہ داستان کا علمی جائزہ

از

مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ

ناشر

ڈاکٹر محمد عبدالرحمن غضنفر

مؤسس و مدیر

الرحیم اکیڈمی

اے ۶/۷ اعظم نگر پوسٹ آفس، لیاقت آباد
کراچی ۷۵۹۰۰

الحمد للہ رب العالمین، والعاقبۃ للمتقین، ولا عدوان الا علی الظالمین، والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد الصادق الامین وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین الی یوم الدین - اما بعد:-

نواصب کون ہیں

"نواصب" "ناصبیہ" اور "اہل نصب" تاریخ میں ان لوگوں کا لقب ہے جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور ان کی آل و اصحاب کے خلاف بغض و عداوت کا علم بلند کر رکھا تھا چنانچہ علامہ زمخشری "اساس البلاغہ" میں لکھتے ہیں۔

وناصبت لفلان، عاديته، نصبا ومنه الناصبة والنواصب واهل النصب الذين ينصبون لعلي كرم الله وجهه

ناصَبْتُ لِفُلَانٍ کے معنی آتے ہیں میں نے اس سے عداوت کھڑی کی، چنانچہ جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عداوت رکھتے ہیں ان کو اسی بنا پر "ناصبیہ" "نواصب" اور "اہل نصب" کہتے ہیں۔

جس طرح روافض کا مذہب حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تبری و بیزاری اور ان کو طرح طرح کے مطاعن سے مطعون کرنا ہے۔ بعینہٖ یہی طریقہ نواصب کا خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہے۔

نواصب کا خاتمہ

مشرق میں جب بنی عباس کے ہاتھوں بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور ان کا آخری حکمران مروان الحمار قتل ہوگیا، تو اس کے قتل کے ساتھ ہی اس فرقہ نواصب کا بھی جس کو "شیعہ مروانیہ" "شیعہ امویہ" اور "شیعہ عثمانیہ" بھی کہا جاتا ہے خاتمہ ہوگیا۔ اور پھر دنیا ان کے ناپاک وجود سے جلد ہی پاک ہوگئی، چنانچہ علامہ تقی الدین احمد بن علی المعروف بالمقریزی اپنی مشہور و معروف کتاب "الخطط والآثار فی مصر والقاہرۃ والنیل و ما یتعلق بہا من الاخبار" میں لکھتے ہیں۔

فلما قتل مروان وانقضت ایام بنی امیۃ ببنی العباس فی سنۃ ثلاث وثلاثین ومائۃ خمدت جمرۃ اصحاب المذھب المروانی وھم الذین کانوا یسبون علی بن ابی طالب ویتبرؤن منہ، وصاروا منذ ظہر بنو العباس یخافون القتل ویخشون ان یطلع علیہم احد الا طائفۃ کانت بناحیۃ الواحات وغیرھا، فانہم اقاموا علی مذھب المروانیۃ دھراً حتی فنوا وتحقیق لہم الان بدیار مصر وجود البتۃ۔
(ج ۲ ص ۳۴۸ طبع بولاق مصر ۱۲۷۰ھ)

جب مروان ذالحمار بنی امیہ کا آخری تاجدار قتل ہوگیا اور بنی امیہ کے ایام حکمرانی بنی عباس کے ہاتھوں ۱۳۲ ہجری میں ختم ہوگئے تو اصحاب مذہب مروانی کی چنگاری بھی بجھ گئی، یہ وہ لوگ تھے جو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ پر تبرا اور سب و شتم کیا کرتے تھے اور جب سے بنی عباس کا ظہور ہوا ان کی یہ حالت ہو گئی کہ اپنے قتل سے خائف رہنے لگے اور ڈرتے رہتے کہ کہیں کسی کو ان کی اطلاع نہ ہو جائے، ہاں ایک چھوٹی سی جماعت جو "واحات" (مصر کے بالائی مغربی علاقہ) وغیرہ کے اطراف میں تھی، وہ ایک مدت تک مروانی مذہب پر جمی رہی۔

بالآخر وہ بھی فنا ہو گئی اور اب دیارِ مصر میں ان کا سرے سے کوئی وجود ہی باقی نہیں۔

برصغیر میں ناصبیت کی تحریک

اور برصغیر ہند و پاک تو ان کے وجود نامسعود سے شروع ہی سے پاک چلا آتا تھا، تاآنکہ حال میں محمود احمد عباسی امروہوی نے "خلافتِ معاویہؓ و یزید" لکھ کر اس فتنہ کو نئے سرے سے ہوا دی اور اس کے مر جانے کے بعد کمیونسٹوں اور منکرین حدیث نے موقع سے فائدہ اٹھا کر عباسی کے تبعین کی پیٹھ ٹھونکی اور ان کو "ناصبیت" کے مشن کو فروغ دینے پر لگا دیا، چنانچہ اب مختلف ناموں سے انجمنیں قائم ہو گئی ہیں جن کا کام ہی اہل سنت کو راہِ اعتدال سے ہٹانا ہے، اسی سلسلہ کی ایک انجمن "مجلس حضرت عثمان غنیؓ" کراچی ہے، جس کے شائع کردہ پہلے کتابچہ پر مکمل تنقید "ناصبی سازش"[1] کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ اور اب یہ اس مجلس کے شائع کردہ دوسرے کتابچہ کا مختصر سا جائزہ ہے۔

یہ کتابچہ بھی چھوٹی تقطیع پر بتیس صفحات کا ہے جس کا نام ہے "داستانِ کربلا حقائق کے آئینہ میں" اس کے مرتب بھی وہی "احمد حسین کمال" (مئی ۱۹۹۵ء کورنگی ۔ کراچی ۱۳) ہیں، یہ سلسلہ مطبوعات "مجلس حضرت عثمان غنیؓ" کی دوسری کڑی ہے۔

مجلس عثمان غنیؓ کا تعارف اور پروگرام

لیکن جائزہ لینے سے پہلے مجلس کا تعارف اور پروگرام پڑھیے جو ان

---

[1] اب اس کا نام بدل کر "اکابر صحابہ پر بہتان" کر دیا گیا ہے

الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔

"مجلس حضرت عثمان غنیؓ" دراصل تطہیرِ تاریخ اور تصفیۂ اذہان کی اس تحریک کا نام ہے جس کے پیش نظر ان حضرات صحابہ کرام کے متعلق اغیار و اشرار کے نامبارک ہاتھوں مرتب کردہ تاریخی اکاذیب و اباطیل کی اصلاح اور چھان پھٹک ہے، جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور آپ کے انقلابی پروگرام کو اچھی طرح سوچ سمجھ کر قبول کیا اور پھر تن، من، دھن کی بازی لگا کر اطرافِ عالم میں اسے پھیلایا.... لیکن چونکہ اولین اہل قلم .... عموماً انہی عجمی اقوام میں سے ہوتے ہیں جن کی شوکت و حکومت .... ان ہی مقدس صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں ...... پیوند خاک ہوئیں، بنابریں انہوں نے اپنے کفر و زندقہ اور جذبۂ انتقام کو نفاق کی خوشنما چادر میں چھپا کر صدر اول کی تاریخ کو اس طرح مسخ کیا کہ ان اکابر صحابہ اور محسنین امت کے حسین کردار اور حقیقی خدوخال پر مفتریات و مکذوبات کی گہری تہیں جم گئیں ... تاریخ کا یہی وہ اہم مگر پیچیدہ موضوع ہے جسے انہیں تاریخی اساطیر سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر حق و انصاف، روایت و درایت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے مرتب کرنا اور مسلمان قوم کو اس پر غور و فکر اور پھر قبول کی دعوت دینا "مجلس حضرت عثمان غنیؓ" کے پیش نظر ہے.....

جو اسلام کی تاریخ کو حقیقی اور صحیح روپ میں دیکھنے کے خواہاں ہیں اور اسلام کا سچا درد رکھتے ہیں "مجلس حضرت عثمان غنیؓ" کی اس کوشش کو کامیاب بنائیں اور صداقت کے علمبردار بن کر دنیا و آخرت میں اپنا مقام بلند کریں۔ (داستانِ کربلا ص ۳۰ و ۳۱)

"مجلس حضرت عثمان غنیؓ" نے تطہیر تاریخ اور تصفیہ اذہان کی جو مہم چلائی ہے

اس کا ایک نمونہ تو "اکابر صحابہ پر بہتان" میں گزرا، اب تاریخی اساطیر سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر مجلس نے جس طرح اسلام کی تاریخ کو حقیقی اور صحیح روپ میں پیش کیا یا درحقیقت اسے مسخ کیا ہے اس پر نظر ڈالیے!

اس کتابچہ کا نام "داستانِ کربلا" حقیقت میں اسم بامسمّٰی ہے عربوں کے کاہنوں کی طرح ایک سچ میں سو جھوٹ ملا کر یہ داستان تیار کی گئی ہے۔ اردو ادب کے سب سے طویل افسانے "داستانِ امیر حمزہ" کی طویل و عریض اور ضخیم جلدیں اگر کسی کی نظر سے گزری ہیں اور اس نے نوشیرواں نامہ، ہرمز نامہ، کوچک باختر، بالا باختر، ایرج نامہ، طلسم ہوش ربا، بقیہ طلسم ہوش ربا، صندلی نامہ، تورج نامہ، لعل نامہ، طلسم خیالِ سکندری، طلسم نوخیز جمشیدی، طلسم زعفران زار سلیمانی وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے قاری کے سامنے یہ حقیقت عیاں ہوگی کہ اس طول طویل داستان میں اتنا تو سچ ہے کہ اس افسانے کے ہیروز امیر حمزہ، عمرو بن امیہ ضمری، معدیکرب، مالک اشتر، لندھور ابن سعدان، نوشیرواں، بزرجمہر، افراسیاب، زمرد شاہ باختری وغیرہ کا تاریخی وجود تو بے شک تھا اور ان نامبردگان میں سے سابق چار افراد عرب سے تعلق رکھتے تھے اور بقیہ پچھلے پانچ عجم سے، لیکن "داستانِ امیر حمزہ" پڑھنے والوں میں شاید ہی کوئی ایک آدھ احمق ایسا ہو جو اس داستان کو صحیح سمجھتا ہو اور اس جھوٹ کو سچ باور کرتا ہو، خود لکھنؤ کے شیعہ داستان گو، محمد حسین جاہ اور تصدق حسین قمر نے بھی جن کے قلم سے "داستانِ امیر حمزہ صاحب قران" کی طویل و ضخیم جلدیں نکلی ہیں، کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ "داستانِ امیر حمزہ صاحب قران" کی کوئی تاریخی حیثیت بھی ہے،

مگر آفریں ہے "مجلس عثمان غنیؓ" کے ارکان اور اس مجلس کے ہیرو احمد حسین کمال پر جنہوں نے اپنے جی سے گھڑ کر یہ "داستانِ کربلا" لکھی اور اس پر بعد طمطراق یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ یہ دروغ بے فروغ ایک تاریخی حقیقت ہے اور یہ داستان

"حقائق کے آئینہ" میں سپردِ قلم کی گئی ہے، پیچ ہے۔

اِذَا لَمْ تَستَحیِ فَاصنَع مَا شِئتَ ، بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن۔

"مجلس عثمانِ غنی" کے لیے تو واقعی یہ خوشی کا مقام ہے کہ انہوں نے یہ کتابچہ لکھ کر لکھنؤ کے شیعہ داستان گویوں کو جھوٹ بولنے میں بھی مات کر دیا۔

آفریں باد بریں ہمت مردانۂ تو

اب ذرا دل پکڑ کر اس داستان کو پڑھیے اور احمد حسین کمال نے داستان سرائی میں جو کمال دکھایا ہے اور افسانہ طرازی میں جس جرأت و بے باکی کا مظاہرہ کیا ہے اسے ملاحظہ کیجیے۔

خود ساختہ "داستانِ کربلا"

"داستانِ کربلا" کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

بعث اهل العراق الى الحسين الرسل والكتب يدعونه اليهم فخرج متوجهاً اليهم في اهل بيته وستين شخصاً من اهل الكوفة صحبة۔ (البدایہ والنہایہ، جزء ہشتم ص ۱۵۳)

"جب ۶۰ھ کو امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کا انتقال ہوگیا۔ ۲۲ رجب ۶۰ ہجری کو امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوگئی شعبان ۶۰ھ میں حضرت حسینؓ اہل و عیال سمیت مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تشریف لے آئے، اس وقت حضرت حسینؓ کی عمر ۵۵ سال کی تھی۔

کوفہ میں رہنے والے شیعانِ علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت حسینؓ مدینہ سے مکہ آکر مقیم ہو گئے ہیں تو انہوں نے آپ کے پاس یکے بعد دیگرے قاصد پہ قاصد روانہ کرنے شروع کر دیے کہ آپ کوفہ تشریف لے آئیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں اور آپ کو خلیفہ بنانا

چاہتے ہیں۔

آپ نے صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے اپنے تایازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا، کوفہ میں رہنے والے شیعانِ علی کے پیغامات اب بھی برابر آ رہے تھے، حتیٰ کہ ساٹھ کوفیوں کا ایک وفد بہت سے خطوط لے کر آپ کے پاس پہنچا، شروع کی عبارت مشہور عربی تاریخ "البدایہ والنھایہ" سے ماخوذ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

> اہلِ عراق (کوفہ) نے حضرت حسین کے پاس متعدد پیغامبر اور بکثرت خطوط بھیجے کہ آپ کوفہ آ جائیں، چنانچہ حضرت حسین اپنے اہلِ بیت کو لے کر ساٹھ کوفیوں کی معیت میں کوفہ روانہ ہو گئے"

منگل کے دن ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو حضرت حسین مکہ سے کوفہ کے لیے روانہ ہوئے۔ اس وقت تک امیر یزید کی خلافت کو قائم ہوئے ۶ ماہ ہو چکے تھے اور امیر یزید کے ہاتھ پر سوا عبداللہ بن زبیر اور کوفہ کے چند سو آدمیوں کے شام، عراق، مصر اور عرب کے تمام مسلمان بیعت کر چکے تھے، ان بیعت کرنے والوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ۱۸۹۵ صحابہ کرام شامل تھے جو اس وقت حیات تھے۔

جب حضرت حسین اپنے قافلہ کے ساتھ زرُود پہنچے تو وہاں آپ کو معلوم ہوا کہ مسلم بن عقیل، کوفہ میں قتل ہو گئے ہیں۔ اس سانحہ کی اطلاع سے آپ دل برداشتہ ہوئے اور واپس مکہ چلا جانا چاہا، لیکن جو ساٹھ کوفی ساتھ تھے، انہوں نے اصرار کیا کہ آپ ضرور کوفہ چلیں۔ مسلم بن عقیل کی بات اور تھی۔ آپ کی حیثیت دوسری ہے، کوفہ کے شیعانِ علی

آپ کا ساتھ ضرور دیں گے، موضع زَرُوْد، مکہ سے کوفہ جانے والے راستہ پر "۱۸ ویں" منزل پر واقع ہے اور مکہ سے اس منزل تک کی مسافت ۵۹۴ عربی میل ہے، مسلم بن عقیل کی وفات کی خبر سن کر اور کوفیوں کی سابقہ بے وفائیوں، غداریوں کا احساس کر کے آپ اسی مقام پر رک گئے جو کوفی آپ کو مکہ سے لے کر آئے تھے وہ کوفہ چلنے پر اصرار کرتے رہے اور آپ جانے میں تردّد فرماتے رہے۔

کوفہ کی حکومت کو جب آپ کے موضع زرود میں رک جانے کی اطلاع ملی تو صورتحال معلوم کرنے کیلئے عمر بن سعد اور شمر بن ذی الجوشن کو ایک دستہ کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا...... ان دونوں نے حضرت حسین سے ملاقات کی اور آپ کا ارادہ اور منصوبہ معلوم کیا، آپ نے فرمایا:-

میں کوفیوں کے بلانے اور اصرار کرنے پر کوفہ آ رہا تھا، ان کے یہ سینکڑوں خطوط میرے پاس مکہ میں آئے اور متعدد قاصد بھی زبانی پیغامات لاتے رہے، میں نے اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو دریافتِ حال کے لیے کوفہ بھیجا تھا، ساٹھ کوفی جواب میرے ساتھ ہیں، مسلم کا خط لے کر میرے پاس آئے کہ کوفہ آجائیں، اہل کوفہ بیتابی سے آپ کے منتظر ہیں، چنانچہ ان ساٹھ کوفیوں کے ساتھ میں کوفہ کے لیے روانہ ہو گیا یہاں آکر معلوم ہوا کہ کوفیوں نے مسلم بن عقیل کو دھوکہ سے قتل کرا دیا، اس لیے اب، میرے سامنے یہی چارۂ کار رہ گیا ہے کہ شام چلا جاؤں اور یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنا معاملہ طے کر لوں"

عمر بن سعد نے کوفہ کے گورنر ابن زیاد کو اس صورت حال سے اور حضرت حسین کے ارادہ سے مطلع کر دیا، عبیداللہ بن زیاد نے قبلت کہہ کر منظوری دے دی اور ساتھ ہی احتیاطاً عمر بن سعد اور شمر بن ذی الجوشن کو ایک دستہ کے ساتھ حضرت حسین کے قافلہ کے ہمراہ جانے کا حکم دیا، تاکہ جو کوئی حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں وہ آگے چل کر حضرت حسین کو کسی اور راستہ کی طرف نہ لے جائیں یا کہیں اور شرارت نہ کھڑی کر دیں، تاہم یہ دستہ حسینی قافلہ سے ذرا فاصلہ پر رہ کر چلتا۔

مقام "واقصہ" سے حضرت حسینؓ نے کوفہ جانے والی راہ چھوڑ دی اور "ناسبہ" "القرنا" اور "تیقبہ" کی منزلوں سے ہوتے ہوئے دمشق کی راہ پر چل پڑے، ۹ محرم کی شب کو "العذیب" اور "قصر مقاتل" کی منزلیں طے کر کے آپ نے "الطف" کی سرسبز و شاداب زمین میں "کربلت" کے مقام پر جہاں پانی کے چار چشمے بہتے ہیں، قیام فرمایا ہے، "کربلت" کو "کرب و بلا" کے معنی پہنانے کے لیے کربلا بنا دیا گیا۔ "کربلت" عربی میں مرطوب جگہ کو کہتے ہیں۔ل

ل یہ بھی داستان سرائی کا ایک جزو ہے کہ ناصبیوں کے "امام التاریخ" عباسی صاحب لکھتے ہیں: "ارض الطف کے قریہ عقر کی مضافاتی زمین "کربلا" کہلاتی تھی، جو روڑوں کنکروں اور جھاڑ جھنکار سے صاف اور نرم و ملائم زمین تھی، نیز جو کربہ مذکور کی فصل غلہ چھوڑنے کے کام بھی آتی تھی اور اسی بنا پر "کربلا" کہلاتی تھی۔" (خلافت معاویہ و یزید ص ۲۰۵، ۲۰۶ طبع چہارم) یاد رہے تاریخ اور جغرافیہ کی کتابوں میں موضع "کربلا" کا تو ذکر آتا ہے مگر "کربلت" نامی کسی مقام یا موضع کا ذکر نہیں ملتا۔ آخر وہ داستان ہی کیا جس میں جھوٹ نہ ہو۔

کربلا دریائے فرات سے تین میل دور اور کوفہ سے پچیس میل کے
فاصلہ پر واقع ہے۔

دوسرے دن آپ کے ہمراہی کوفیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ
دمشق نہ جائیں اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے اپنے والد کی طرح اہل
شام سے جنگ کریں، آپ نے اس سے انکار کیا حتیٰ کہ آپ نے
یہاں تک فرمایا،

"افسوس تمہیں لوگ ہو جنہوں نے میرے والد حضرت علیؓ
کو دھوکہ میں رکھا اور شہید کر دیا، میرے بھائی حضرت حسنؓ
کو زخمی کیا اور مایوس بنایا اور میرے عم زاد بھائی مسلم بن
عقیل کو کوفہ بلا کر قتل کرا دیا، سچ ہے جو کوئی تمہارے دھوکہ
میں آجائے بڑا احمق ہے۔"

(جلاء العیون، طبری)

انھوں کوفی یہ سمجھ گئے کہ اب حضرت حسینؓ کا ان کے قابو میں آنا مشکل
ہے لیکن ان سے جدا ہوتے ابن زیاد کی گرفت میں پڑ جاتے جو یقیناً
غیرت ناک سزا دے کر رہے گا۔ ابن زیاد کا فوجی دستہ ساتھ ہی تھا
اس لئے ان سب نے باہم صلاح و مشورہ کر کے عصر و مغرب کے درمیان
کیمپ میں ہنگامہ برپا کرنے اور قافلہ حسینی کے تمام افراد کو ہلاک کر کے
رات کی تاریکی میں بھاگ نکل جانے کا منصوبہ بنایا، چنانچہ عصر کی نماز کے
بعد یہ سب کے سب ایک دم حضرت حسینؓ اور ان کے اہل بیت کے
خیمہ پر ٹوٹ پڑے اور حضرت حسینؓ سمیت کئی افراد کو قتل کر ڈالا، خیمہ
میں شور برپا ہو گیا، بچے، عورتیں دہشت زدہ خیمہ سے باہر نکل آئے، کچھ لوگ دفاع

اور جوابی کاروائی کرنے لگے، اس شور و غل اور ہنگامہ کی آواز دور محافظ دستے نے بھی سنی، حر، شمر اور عمر بن سعد حسینی کیمپ کی طرف دوڑے، شام کا جھٹپٹا ہو چکا تھا، ان سب نے اگرچہ تمام کوفیوں کو گھیر کر اور پکڑ پکڑ کر قتل کر ڈالا، ایک آدھ ہی بچ کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہو سکا، لیکن افسوس اس دوران حضرت حسین کئی زخم کھا کر شہید ہو چکے تھے، ان کے صاحبزادے علی اکبر اور عبداللہ بھی قتل ہو گئے تھے، حضرت حسن کے تین صاحبزادے عبداللہ، قاسم، ابوبکر بھی قتل کر دیے گئے تھے، عبداللہ بن جعفر کے لڑکے عون اور محمد بھی مارے گئے تھے اور حضرت عقیل کے چار لڑکے جعفر، محمد، عبدالرحمٰن، عبداللہ اور عبداللہ ثانیؓ بھی مارے جا چکے تھے

یعنی جب تک عمر بن سعد، شمر بن ذی الجوشن اور حر خاندان علی کو کوفیوں کے حملے سے بچانے کے لیے دوڑ کر پہنچے، اس خاندان کے اکیس افراد حضرت حسین سمیت شہید کیے جا چکے تھے، مگر بھی کوفیوں کو مارتے ہوئے ایک کوفی کے وار سے قتل ہو گئے۔ یہ المناک سانحہ ۱۰ محرم سنہ ۶۱ ہجری مطابق ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء جمعہ کے دن پیش آیا بعض روایتوں میں ہے کہ یہ سانحہ ۱۰ صفر کو "کربلا" کے بجائے "نینوا" کے مقام پر پیش آیا۔ بہرحال عمر بن سعد اور شمر نے خاندان علی کی نعشوں کو اکٹھا کیا، ان کی نماز جنازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ دفن کر دیا، کوفیوں کی لاشوں کو وہیں پڑا رہنے دیا۔ بلکہ دستہ کے بعض سواروں نے انھیں پامال بھی کیا، تاکہ عبرت کا سامان بن جائیں، خاندان علی کے

ؒ اس نام کا کوئی تاریخی وجود نہیں۔

بچے کچھے افراد خواتین کو کوفہ لاکر آرام سے رکھا، جو لوگ زخمی ہوگئے تھے ان کا علاج کیا۔

کوفہ میں بعض شیعان علی نے خفیہ طور سے ان حضرات سے ملاقات کی، اپنی ہمدردیاں جتائیں، انہیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا کہ مکہ چلے جائیں، لیکن حضرت حسین کے صاحبزادے زین العابدین نے جنہیں زخمی کر کے کوفی سمجھتے تھے کہ مر چکے ہیں، مگر خوش قسمتی سے زندہ بچ گئے تھے، اور اب کوفہ میں ابن زیاد، عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن کی سرپرستی و دیکھ بھال میں علاج کرا رہے تھے فرمایا،

"اے غدارو! اے مکارو! میں ہرگز تمہارے فریب میں نہیں آؤں گا، ہرگز تمہارے قول و قرار پر اعتبار نہیں کروں گا۔"

خاندان علی کے افراد کچھ عرصہ کوفہ میں ابن زیاد کے مہمان رہے، پھر پوری حفاظت اور آرام کے ساتھ دمشق روانہ ہوگئے، جہاں ایک مدت تک ان سب نے خلیفہ یزید کے محل میں قیام کیا، امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کی اور واپس آکر جوار رسول میں حسب سابق رہنے لگے۔

یزید نے اپنے والد حضرت معاویہ کے طریقے کے مطابق حضرت حسین کے صاحبزادے علی المعروف زین العابدین اور دوسرے افراد خاندان کے بیش بہا وظیفے مقرر کر دیے اور یہ حضرات نہایت اطمینان و آرام کے ساتھ کئی پشتوں تک ان وظائف پر زندگی بسر کرتے رہے۔

(از ص ۳ تا ص ۱۲)

یہ ہے "مجلس حضرت عثمان غنی" یعنی حال کے "مذہب مروانی" کے داستان گو احمد حسین کمال کی بنائی ہوئی داستان جو ابھی آپ کی نظر سے گذری اور جس میں اس امر

کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ "شیعانِ اموی" کے خلیفہ برحق یزید بن معاویہ اور اس کے ظالم گورنر عبید اللہ بن زیاد اور یزیدی لشکر کے سپہ سالار عمر بن سعد اور حضرت حسین رضی اللہ تعالے عنہ کے قتل میں پیش پیش رہنے والے شخص شمر ذی الجوشن پر کوئی ذرا سی بھی آنچ نہ آنے پائے، کیونکہ شیعانِ بنی امیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے خلفاء کی نیکیاں سب اللہ تعالے کے یہاں مقبول ہیں اور ان کے گناہ سب معاف ہیں نیز خلیفۂ وقت کی اطاعت ہر حال میں ضروری ہے خواہ اس کا حکم صحیح ہو یا غلط، یہ بھی واضح رہے کہ اس دور کے سب نواصب اگرچہ اس امر میں سخت کوشاں ہیں کہ جہاں تک ہو سکے خلیفہ یزید کی پوری پوری تعظیم بجا لائی جائے اور اس کے تمام ظالم کارندوں کی ظالمانہ کاروائیوں پر نہ صرف یہ کہ پردہ ڈالا جائے بلکہ الٹا الزام مظلوموں کے سر تھوپا جائے۔ واقعۂ کربلا کی ذمہ داری تو حضرت حسین رضی اللہ تعالے عنہ اور ان کے رفقاء کے سر ڈالی جا سکے، حرہ کے مظالم کا ذمہ دار مدینہ طیبہ کے حضرات صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کو قرار دیا جائے اور مکہ معظمہ کے محاصرہ کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر الزام عائد کیا جائے اور اس کارخیر میں اپنی تمام ذہنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو اس ہوشیاری اور چالاکی کے ساتھ کام میں لایا جائے کہ سادہ لوح عوام گمراہی میں پڑ جائیں اور ان کے دھوکہ اور فریب میں آکر سلف صالحین صحابہ و تابعین اور اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بدظن ہو جائیں، لیکن ظاہر ہے جھوٹ آخر جھوٹ ہی ہے اس لیے کسی نہ کسی مرحلے پر جا کر اس جھوٹ کی قلعی کھل ہی جاتی ہے۔

اس داستان کے پہلے جھوٹ کی تنقیح

"چنانچہ احمد حسین کمال داستان گو نے اگرچہ حضرت حسین

رضی اللہ عنہ کا قاتل ان سائٹھ کوفیوں کو بتایا ہے جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت میں مکہ سے چلے تھے اور راستہ بھر آپ کو ورغلانے کی کوشش کرتے رہے، لیکن جب آپ ان کے ورغلانے میں نہ آئے اور امیر یزید کی بیعت کا مصمم ارادہ کر لیا تو یہ ساٹھوں کوفی سمجھ گئے کہ اب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کے قابو میں آنا مشکل ہے اس لیے سب کے سب نے صلاح و مشورہ کر کے عصر کی نماز کے بعد ایک دم حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اہل بیت کرام کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت کئی افراد کو قتل کر ڈالا عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن کا محافظ دستہ جو کاروان اہلبیت کی حفاظت کے لیے کوفی حکومت نے بھیجا تھا وہ بھی اس آفت نا گہانی سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے اہل بیت کو نہ بچا سکا مگر ان "شیعہ مروانیہ" "مجلس حضرت عثمان غنی"[1] کے "امام التاریخ شیخ الاسلام علامہ محمود احمد عباسی" کا (جس کے لیے یہ ناصبی "رحمۃ اللہ" بھی لکھتے ہیں) یہ بیان ہے۔

[1] "مجلس حضرت عثمان غنی" والے اپنے سلسلہ اشاعت کے چھٹے نمبر پر جو کتابچہ "امام الذہبی" کے نام سے شائع کیا ہے اس کے صفحہ ۲ پر یہی الفاظ ہیں

"امام التاریخ شیخ الاسلام علامہ محمود احمد عباسی رحمۃ اللہ"

ان کے علامہ ہونے کا تو راقم الحروف کو ذاتی تجربہ ہے۔ بارہا ملاقاتیں ہوئیں اور علمی گفتگو پر پتہ چلا کہ جناب کی فارسی کی استعداد بھی ناقص ہے۔ عربی کا تو کیا ذکر اہل علم حضرات اگر ان کی تالیف "خلافت معاویہ و یزید" میں انھوں نے جو عربی فارسی عبارتوں کا ترجمہ کیا ہے اس کا جائزہ لیں تو ان "علامہ صاحب" کی ساری علمی حیثیت عیاں ہو جائے گی اور ان کی "شیخ الاسلامی" کی شان معلوم کرنا ہو تو ان کے جاننے والے امروہہ کے بعض احباب

"امیر عبیداللہ بن زیاد باغیانِ کوفہ کی سرکوبی کی غرض سے جو کچھ کر رہے تھے وہ امن عامہ کے تحفظ کی خاطر امیر المؤمنین (یزید) کے احکام کی بجا آوری اور اپنے فرائضِ مفوضہ کی انجام دہی میں کر رہے تھے، حضرت حسینؓ کی ذات یا آپ کے اہل خاندان سے انہیں نہ کوئی ذاتی پرخاش تھی اور نہ بغض و عداوت ......

علاوہ ازیں خود امیر المؤمنین (یزید) کے فرمان میں ان کو صریح ہدایت تھی کہ جنگ و جدل میں اپنی طرف سے سبقت نہ کریں اور اس وقت تک تلوار نہ اٹھائیں جب تک خود ان کے خلاف تلوار نہ اٹھائی جائے، وہ اس حکم کی خلاف ورزی کی جسارت نہیں کر سکتے تھے ...

عمر بن سعد بن ابی وقاص رضؓ کو قاتل حسین کہا جاتا ہے، راویوں کے بیانات کا آزادانہ و غیر جانبدارانہ طور پر تجزیہ کیا جائے تو یہ قول بھی کذب و افتراء ہی ثابت ہوگا ......

حکومت کے یہ دونوں ذمہ دار افسر معاملہ کو بغیر خونریزی کے صلح

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

ابھی زندہ ہیں ان سے ان کی صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور جمعہ و جماعات کے اہتمام کا حال معلوم فرمائیں نیز وحی اور قرآن کریم کے بارے میں جو وہ اظہار خیال فرماتے رہتے تھے اس کے بارے میں دریافت کریں وہ آپ کو ان کے الحاد و بے دینی کی تفصیل بتائیں گے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ عباسی کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کی جب نشر و اشاعت ہو رہی تھی تو وہ چینی سفارت خانے میں ملازم تھے اور احمد حسین کمال کی جب یہ داستان شائع ہوئی تو وہ روسی سفارتخانہ میں ملازم تھے۔

دآشتی سے نٹانا چاہتے تھے، دو قوتیں البتہ ان کے مساعی میں حائل
اور مزاحم تھیں، ایک تو برادران مسلم بن عقیل کا تہیہ کہ وہ اپنے مقتول
بھائی کا انتقام لے کر رہیں گے چاہے اس میں انہیں اپنی بھی جانیں دے
دینی پڑیں۔ دوسرے ان کوفی سبائیوں کا رویہ تھا جو کوفہ سے مکہ
گئے تھے اور حسینی قافلہ کے ساتھ آرہے تھے اپنے مشن کی ناکامی سے ان
کی پوزیشن صد درجہ خراب ہو چکی تھی وہ اپنی خیر اسی میں سمجھتے تھے کہ
صلح و مصالحت نہ ہونے پائے، کیونکہ ان کے لیے اب کوئی اور صورت
مفر کی نہ تھی، کوفہ جاتے ہیں تو کیفر کردار کو پہنچتے ہیں، دمشق کا رخ
کرتے ہیں، تو مستوجب لعنہ ہوتے، انہوں نے اپنے پیش رو سبائیوں کی تقلید
کرنی چاہی، جنہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ میں
مصالحت ہوتے دیکھ کر آتش جنگ مشتعل کرا دی تھی..... چنانچہ ان کوفیوں
کی ساری کوشش اب اس بات پر تھی، کہ حضرت حسینؓ اپنے سابقہ

۱؎ عباسی صاحب آپ ان کوفی شہداء کو جنہوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی نصرت میں اپنی جانیں نثار کر دیں "سبائی" کہہ کر اسلام سے خارج کرنا چاہتے ہیں اور
"مجلس حضرت عثمان غنیؓ" کا داستان گو خود انہی شہداء کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کا قاتل قرار دینے کی فکر میں ہے۔

۲؎ کیوں کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت کرنے کے بعد بھی
اپنے ساتھیوں کے لیے امان نہیں لے سکتے تھے؟ جس طرح کہ حضرت حسن رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معاہدہ میں یہ طے کر لیا تھا کہ صلح
کے بعد اہل عراق پر کوئی دار و گیر نہیں ہوگی۔

موقف پر قائم رہیں ......

حکومتِ وقت کے نمائندوں کو حضرت حسین رض کے ساتھیوں کے ان عزائم کا حال معلوم ہو کر کہ کوفیوں کا یہ سبائی گروہ اس حالت میں بھی کہ انقلابِ حکومت کے بارے میں ان کا سارا پلان اور منصوبہ ہی خاک میں مل چکا تھا، مگر تحریص و ترغیب کی حرکتوں سے باز نہیں آتے، ضروری سمجھا گیا کہ ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں کا قطعی طور سے خاتمہ کر دیا جائے، چنانچہ مسئلہ کو آئینی نوعیت دی گئی، یعنی عمر بن سعدؓ کی ملاقاتوں کے نتیجہ میں حضرت حسینؓ جب آمادہ ہو گئے کہ امیر المؤمنین سے بیعت کر لیں، ان سے مطالبہ ہوا کہ دمشق تشریف لے جانے سے پہلے ہی ان کے نائب کے ہاتھ پر یہیں بیعت کر لیں ......

حضرت حسینؓ نے اس طرح بیعت کرنے اور ابن زیاد حاکم کوفہ کا حکم ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تجھ جیسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے بہتر تو موت ہے ...... امیر کوفہ عبید اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا خود امیر المؤمنین کے ہاتھ پر بیعت کر لینے کے مترادف تھا آپ کے اس انکار پر دوسرا مطالبہ مزید احتیاطاً یہ ہوا کہ وہ سب آلاتِ حرب اور ہتھیار جو حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں، نمائندگانِ حکومت کے حوالہ کر دیں تاکہ اس خطرہ کا بھی سدِ باب ہو جائے، جو ان کوفیوں کی ترغیبانہ گفتگوؤں سے پیدا تھا، کہ مبادا ان کے اثر میں آ کر دمشق جانے کے بارے میں اپنی رائے اسی طرح تبدیل نہ کر دیں جس طرح عامل مدینہ سے یہ فرما دینے کے بعد کہ صبح جب بیعتِ عامہ کے لیے لوگوں کو بلاتا تو ہم بھی موجود ہوں گے مگر حضرت ابن الزبیرؓ سے

گفتگو کے بعد آپ اور وہ دونوں رات ہی میں مکہ معظمہ کو روانہ ہو گئے ، حکام کوفہ کے اس مطالبہ نے برادران مسلم بن عقیل کو جو پہلے ہی سے جوشِ انتقام سے مغلوب ہو رہے تھے ، مشتعل کر دیا ، نیز ان کوفیوں کو بھی جو حسینی قافلہ میں شامل تھے اور جنھیں صلح و مصالحت میں اپنی موت نظر آ رہی تھی ، یہ موقع ہاتھ آ گیا ، انھوں نے اپنے پیش رؤوں کی تقلید میں جنھوں نے جمل کی ہوتی ہوئی صلح کو جنگ میں بدل دیا تھا ، اس اشتعال کو اس شدت سے بھڑکا دیا ، کہ انتہائی عاقبت نا اندیشی سے فوجی دستے کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے ، اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا ، آزاد محققین و مستشرقین نے بے لاگ تحقیق سے اسی بات کا اظہار کیا ہے کہ حکومت کے فوجیوں پر اس طرح اچانک حملہ سے یہ حادثہ حزن انگیز پیش آ گیا ، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نویس نے کہا ہے کہ ،

"گورنر کوفہ عبید اللہ بن زیاد کو یزید نے حکم دیا تھا کہ حسینی قافلہ کے ہتھیار لے لینے کی تدابیر کرے اور مصروبہ عراق میں ان کو داخل ہونے اور جھگڑا اور انتشار پھیلانے سے باز رکھے ، کوفہ کے شیعان علی میں سے کوئی بھی مدد کو کھڑا نہ ہوا ، حسین اور ان کے مٹھی بھر متبعین نے اپنے سے بدرجہا طاقتور فوجی دستہ پر جو ان سے ہتھیار رکھوا لینے کو بھیجا گیا تھا ، غیر مآل اندیشانہ طور سے حملہ کر دیا (ص ۱۱۶۳)

۱؎ جیسے کہ کچھ پر عباسی صاحب کا ایمان ہے ۔

عمر بن سعد امیر عسکر نے ... کوئی جارحانہ اقدام مطلق نہیں کیا تھا، انکے زیر ہدایت فوجی دستہ کے سپاہی مدافعانہ پہلو اختیار کئے رہے یہ منظر کیا ہی دردناک تھا کہ گفتگوئے مصالحت یکایک جدال و قتال میں بدل گئی ....

حضرت حسینؓ کے مقتول ہو جانے پر ابن سعد پر ایسی اور صدمے ایسی رقت طاری ہوئی کہ بے اختیار ہو کر زار و قطار رونے لگے ....

انہوں نے مفاہمت کی خاطر بہتیری کوشش کی کہ خون خرابہ نہ ہونے پائے مگر سبائیوں کی دراندازیوں سے ان کی مساعی ناکام ہو کر رہ گئیں تو لامحالہ انہیں بھی اپنے سپاہیوں کو مدافعت ہی کے پہلو پر قائم رکھنا پڑا جس کا بین ثبوت خود انہی لوگوں کے بیان سے ملتا ہے جہاں انہوں نے طرفین کے مقتولین کی تعداد بیان کی ہے کہ حسینی قافلہ کے بہتر مقتول ہوئے، جن میں اکثر و بیشتر جنگ آزمودہ نہ تھے اور فوجی دستے کے جنگ آزمودہ سپاہی اٹھاسی مارے گئے، گویا سولہ فوجی زیادہ کھو کر بھی وہ حضرت حسینؓ کی جان بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے اور زار و قطار رونے لگے، پھر انہوں نے حضرت حسینؓ کے اہل خاندان کو ان کی بیبیوں، کنیزوں اور دوسری خواتین خاندان نبوت کو عزت و حرمت کے ساتھ پردہ دار محملوں میں سوار کرا کے روانہ کیا۔

(ملاحظہ ہو "خلافت معاویہ و یزید" مؤلفہ محمود احمد عباسی طبع چہارم (ص ۲۴۶ تا ص ۲۴۱)

شیعانِ اموی" مجالس حضرت عثمان غنی" کے "امام التاریخ" کا بیان ایک بار پھر پڑھ لیجئے کہ ناصبیوں کے یہ امام صاحب کیا فرماتے ہیں، ان کی تحقیق میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے اہلِ بیت، اور ان ساٹھ کوفی حضرات کا جو حضرت ممدوح کی معیت میں مکہ سے کربلا تک آئے تھے، قاتل تو عمر بن سعد کا فوجی دستہ ہی تھا، مگر یہ حادثہ حزن انگیز اس لیے پیش آیا کہ خود حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اشتعال میں آکر اس فوجی دستہ پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے ان کا گھیرا ڈالے ہوئے تھا، اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا، عمر بن سعد نے پھر بھی مدافعانہ جنگ کی کہ اپنی فوج کے معدودے افراد زیادہ کٹوا دیئے اور اس طرح یزیدی دستہ فوج کے اٹھاسی آدمی کام آئے، ورنہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ کے کاروان میں عباسی کے خیال میں کوئی بہادر اور جنگ آزمودہ سپاہی تھا ہی کہاں! عمر بن سعد اگر خود اقدام کرتا تو جو شہابانِ عرب اس کے ساتھ تھے آناً فاناً میں حسینی قافلے بہتر نفوس کا سر قلم کر دیتے اور اس کے دستۂ فوج کو ایک شخص کا بھی نقصان نہ اٹھانا پڑتا۔ مگر "مجلس شیعان عثمان" کے داستان گو نے جو داستان بیان کی ہے وہ امام التاریخ کے بیان کردہ افسانہ سے بالکل جدا ہے، اس میں مذکور ہے کہ عمر بن سعد کا دستہ فوج تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محافظ دستہ تھا اس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سرے سے جنگ ہی نہیں کی، بلکہ وہ تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اہلِ بیت کو ان کوفیوں کے ہاتھ سے بچانے کے لیے آیا تھا، مگر افسوس کہ اس دستۂ فوج کے پہنچتے پہنچتے آپ کو قتل کر ڈالا گیا اور عمر بن سعد کفِ افسوس مل کر رہ گیا آخر یزیدی فوج نے گھیر گھیر کر ان سب قاتلانِ حسین کا کام تمام کر دیا۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجا است تا بکجا

ہمارے نزدیک تو ناصبیوں کے امام صاحب اور مجلس کے داستان گو دونوں ہی فسانہ طرازی اور داستان گوئی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ اس لیے ان سے سچ بولنے کی توقع رکھنا فضول ہے۔ فرق ہے تو بس اتنا کہ ناصبیوں کے شیخ الاسلام عباسی صاحب نے اپنے پیش رو مستشرقین یہود و نصاریٰ مغالین ومغضوبین کی اتباع میں یہ بیان دیا ہے جن کو وہ آزاد اور بے لاگ محقق مانتے ہیں، چنانچہ انھوں نے اس بات کو چھپایا بھی نہیں ہے بلکہ اپنے بیان کے ثبوت میں "انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" کے مقالہ نویس کا حوالہ دے کر اس کو صاف ظاہر بھی کر دیا ہے۔ لیکن "مجلس حضرت عثمان غنی" کے داستان گو کا سارا بیان خانہ ساز وطبع زاد ہے۔ بہرحال اب شیعان اموی "مجلس عثمان غنی" کو چاہیے کہ اپنے تمام اراکین مجلس کا اجلاس طلب کر کے پہلے یہ طے کریں کہ ان کے امام صاحب اور "داستان گو" دونوں میں سے کس کی بات سچی ہے اور کس کی جھوٹی؟ اور جب یہ فیصلہ کر چکیں تو پھر مسلمانوں سے مخاطب ہوں۔

داستان گو کی حساب دانی (۲) "داستان گو" صاحب کی حساب دانی کا یہ عالم ہے کہ وہ یہ بھی شمار نہ کر سکے کہ، ۲۸ رجب سے لے کر ۱۰ ذی الحجہ تک کتنے دن ہوتے ہیں، سب جانتے ہیں کہ جب کا چاند اگر تیس دن کا ہو تو چار مہینے بارہ دن ہوں گے ورنہ چار مہینے گیارہ دن اگر یہ اپنے کمال سے اسے چھ مہینے کی مدت بتا رہے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

"۲۸ رجب ۶۰ھ ہجری کو امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہو گئی"

(داستان کربلا ص ۳)

"منگل کے دن ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو حضرت حسین مکہ سے کوفہ کے

رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقامِ شراف سے چل کر (جو واقصہ سے دو میل پر ہے) "کوہِ ذی حسم" کے دامن میں خیمہ زن ہوئے، تو حر بن یزید تمیمی یربوعی ایک ہزار سواروں کے ساتھ آپ کے مقابل آکر اتر پڑا، دوپہر کا وقت تھا۔ تمازتِ آفتاب نے حر اس کی فوج اور سواریوں کو پیاس سے بے تاب کر رکھا تھا۔ ساقیِ کوثر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نواسے سے ان کا یہ حال دیکھا نہ گیا، فوراً اپنے خدام کو حکم دیا کہ ان کو اور ان کی سواریوں کو پانی پلا کر خوب سیراب کر دیا جائے۔ تعمیلِ حکم میں دیر نہ لگی۔ اور اول سے آخر تک سب نے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور اپنی سواریوں کو بھی پلایا۔ حر کو قادسیہ سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نقل و حرکت کی نگرانی کے لیے بھیجا گیا تھا اور اس کو حکم دیا گیا تھا کہ حسینی کاروان کو عبید اللہ بن زیاد کے سامنے کوفہ میں لا کر پیش کیا جائے، عبید اللہ بن زیاد کو جو یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر مقرر ہو کر آیا تھا۔ جب یہ خبر ملی کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کے قصد سے مکہ معظمہ سے روانہ ہو چکے ہیں تو اس نے کوفہ کے پولیس افسر حصین بن تمیم کو کوفہ سے یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ قادسیہ میں جا کر پڑاؤ ڈالے اور قطقطانہ سے لے کر خفان تک مسلح کیمپ قائم کر کے ان کا کنٹرول سنبھالے، چنانچہ اسی ہدایت کے مطابق اس نے اپنے سامنے حر کی کمان میں ایک ہزار سوار دے کر ان کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل بھیجا تھا، ظہر کا وقت ہوا، تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حجاج بن مسروق جعفی کو اذان کے لیے فرمایا۔ حجاج نے اذان دی۔ اقامت کا وقت آیا تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ردا و ازار زیب تن کیے نعلین پہنے تشریف لائے اور حق تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

ایہا الناس انہا معذرۃ الی اللہ — لوگو! اللہ عزوجل اور تم لوگوں کے سامنے

لیے روانہ ہوئے اس وقت امیر یزید کی خلافت کو قائم ہوئے ۹ ماہ ہو چکے تھے۔ (داستان کربلا ص ۴)

سچ ہے ع دروغ گورا حافظہ نباشد

دوسرے جھوٹ کی تنقیح

(۳) "داستان کربلا" "دمشق" پر جو یہ مرقوم ہے کہ

"دوسرے دن آپ کے ہمراہی کوفیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ دمشق نہ جائیں اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے اپنے والد کی طرح اہل شام سے جنگ کریں۔ آپ نے اس سے انکار کیا۔ حتیٰ کہ آپ نے یہاں تک فرمایا

"افسوس تمہیں لوگ ہو جنھوں نے میرے والد حضرت علی کو دھوکہ میں رکھا اور شہید کر دیا، میرے بھائی حضرت حسن کو زخمی کیا اور رسوا یوں بنایا اور میرے عم زاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بلا کر قتل کرا دیا۔ سچ ہے جو بھی تمہارے دھوکہ میں آ جائے وہ بڑا احمق ہے۔"

(جلاء العیون طبری)

سو محض غلط ہے "داستان گو" صاحب کی عادت ہے کہ وہ موقع بے موقع کہیں بھی غلط بیانی سے نہیں چوکتے اور داستان تو پھر داستان ہی ہے اس کے بارے میں تو پہلے ہی مشہور ہے کہ

بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستان کیلئے

اس لیے انھوں نے یہاں، موقع سے فائدہ اٹھا کر کچھ کی بجائے بہت کچھ بڑھا دیا ہے، مؤرخ طبری کے بیان کے مطابق واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت حسین

مخالفاً لسنة رسول الله يعمل
في عباد الله بالاثم والعدوان فلم
يغير عليه بفعل ولا قول، كان حقاً
على الله ان يدخله مدخله، الا
وان هؤلاء قد لزموا طاعة
الشيطان وتركوا طاعة الرحمٰن
واظهروا الفساد وعطلوا الحدود
فاستأثروا بالفيء، واحلوا حرام الله
وحرموا حلاله وانا احق من
غير قد اتتني كتبكم وقدمت
على رسلكم ببيعتكم انكم لا
تسلموني ولا تخذلوني فان
تممتم على بيعتكم تصيبوا رشدكم
فانا الحسين بن علي وابن
فاطمة بنت رسول الله صلى الله
عليه وسلم، نفسي مع انفسكم
واهلي مع اهليكم فلكم فيّ اسوة
وان لم تفعلوا ونقضتم عهدكم
وخلعتم بيعتي من اعناقكم
فلعمري ما هي لكم بنكر لقد
فعلتموها بأبي واخي وابن عمي

حال میں دیکھے کہ وہ محرمات الٰہی کو حلال
کر رہا ہو، اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان کو
توڑ رہا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی سنت کا مخالف ہو اور اللہ تعالیٰ
کے بندوں کے ساتھ گناہ اور زیادتی کا
معاملہ کرتا ہو اور پھر اپنے قول و فعل
سے اس کے خلاف تبدیلی نہ برپا
کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی اسی
کے ٹھکانے پر پہنچا دینے میں حق بجانب
ہیں" خبردار! ان لوگوں (حکمران ٹولے)
نے رحمٰن کی اطاعت چھوڑ کر شیطان
کی اطاعت اختیار کر لی ہے۔ ملک
میں فساد پھیلا دیا۔ حدود الٰہی معطل کر
دیں، مال غنیمت اپنے لیے مخصوص
کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال اور
حلال کو حرام کر دیا چنانچہ اس صورت
حال میں تبدیلی لانے کا میں سب سے
زیادہ حق رکھتا ہوں، تمہارے خطوط
میرے پاس آچکے ہیں اور تمہارے
قاصد تمہاری اس امر پہ بیعت کی
خبر لے کر پہنچ چکے ہیں کہ تم مجھے بے یار

مسلم بن عقیل، والمغرور من اغتر بکم فحظکم اخطاتم، ونصیبکم ضیعتم، ومن نکث فانما ینکث علی نفسه وسیغنی الله عنکم والسلام علیکم ورحمة الله وبرکاته۔

(تاریخ طبری ج ۵ ص ۴۰۳
طبع دار المعارف قاہرہ ۱۹۶۴ء)

و مددگار نہیں چھوڑو گے پھر اگر تم اپنی بیعت کی تکمیل کرتے ہو تو اپنی بھلائی کو پالو گے، کیونکہ میں حسین بن علی ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر اطہر فاطمہ کا بیٹا ہوں۔ میری جان تمہاری جانوں کے ساتھ اور میرے اہل وعیال تمہارے اہل وعیال کے ساتھ ہیں، تمہارے لیے میں نمونہ ہوں، اور اگر تم ایسا نہیں کرتے اور اپنے عہد وپیمان کو توڑتے ہو اور میری بیعت کو اپنی گردنوں سے اتار پھینکتے ہو تو سمجھ لو یہ تم سے کچھ بعید بھی نہیں، تم نے میرے باپ، میرے بھائی، اور میرے برادر عم زاد مسلم بن عقیل کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا ہے وہ فریب خوردہ ہے جو تمہارے دھوکہ میں آئے۔ تم نے اپنے فائدہ کو کھو دیا اور اپنی قسمت کو خراب کیا "جو شخص بھی عہد توڑے گا اس کا نقصان خود اسی کو اٹھانا پڑے گا۔" اور اللہ تعالیٰ عنقریب مجھے تم سے بے نیاز کر دے گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

یہ ہے وہ تفصیل جو مؤرخ طبری نے ۶۱ ہجری کے حوادث کو بیان کرتے ہوئے "مقتل حسین" کے ضمن میں بیان کی ہے اس میں اول سے آخر تک کہیں ان سانحہ لونی حضرات کا جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ میدان کربلا میں شہید ہوئے کوئی ذکر نہیں بس مقام "بیضہ" پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حر کے لشکر کے سامنے جو تقریر فرمائی، اس کا ذکر ہے اس تقریر میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حر اور اس کی فوج کے سواروں سے مخاطب ہیں۔

عزوجل والیکم، انی لم آتکم حتیٰ اتتنی کتبکم وقدمت علیّ رسلکم ان اقدم علینا فانہ لیس لنا امام لعل اللہ یجمعنا بک علی الھدیٰ فان کنتم علیٰ ذالک فقد جئتکم فان تعطونی ما اطمئن الیہ من عہودکم ومواثیقکم اقدم مصرکم وان لم تفعلوا وکنتم لمقدمی کارھین انصرف عنکم الی المکان الذی اقبلت منہ الیکم۔ (تاریخ الطبری ج۶ [illegible])

میرا یہ عذر ہے کہ میں تمہارے پاس اس وقت تک نہیں آیا، جب تک کہ تمہارے خطوط اور تمہارے قاصد یہ پیام لے کر میرے پاس نہیں آئے کہ "آپ ہمارے یہاں تشریف لائیے۔ ہمارا کوئی امام نہیں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ آپ کی وجہ سے ہمیں ہدایت پر جمع کر دے۔" سو تم اب بھی اگر اسی بات پر قائم ہو تو میں تمہارے پاس آچکا ہوں اب اگر تم مجھ سے ایسے عہد و پیمان کر لو جن سے مجھے اطمینان ہو جائے، تو میں تمہارے شہر میں چلا چلوں گا اور اگر تم ایسا نہیں کرتے اور میرا آنا تمہیں ناگوار ہے تو میں تمہیں چھوڑ کر اسی جگہ چلا جاتا ہوں جہاں سے تمہاری طرف آیا تھا۔

اس وقت تو آپ کی تقریر سن کر حرؓ اور اس کے ساتھی خاموش رہے اور مؤذن سے کہنے لگے اقامت کہو۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حرؓ سے دریافت کیا کہ کیا تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ الگ نماز پڑھو گے، اس نے جواب دیا نہیں، بلکہ آپ امامت کریں ہم آپ کی اقتداء میں نماز ادا کریں گے، چنانچہ آپ نے ظہر کی امامت فرمائی، عصر کی نماز کے بعد پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حرؓ اور اس کی فوج سے خطاب فرمایا اور حمد و ثناء الٰہی کے بعد ارشاد فرمایا:

اما بعد، ایھا الناس، فانکم ان تتقوا وتعرفوا الحق لاھلہ یکن ارضی للّٰہ، ونحن اھل البیت اولی بولایۃ ھٰذا الامر علیکم من ھٰؤلاء المدعین مالیس لھم، والسائرین فیکم بالجور والعدوان فان انتم کرھتمونا وجھلتم حقنا، وکان رأیکم غیر ما اتتنی کتبکم، وقدمت بہ علیّ رسلکم انصرفت عنکم (طبری ص۳۰۳ ج۵)

اما بعد، اے لوگو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو اور اہلِ حق کا حق پہچان لو تو یہ بات اللہ تعالےٰ کو زیادہ راضی کرنے والی ہے اور ہم اہل بیت ان ناحق کے مدعیوں، اور تم پر ظلم وزیادتی کرنے والوں کی بہ نسبت تمہارے ولی امر ہونے کے زیادہ حقدار ہیں اور اگر تم ہم کو ناپسند کرتے ہو اور ہمارے حق سے بے خبر ہو اور تمہاری رائے وہ نہیں رہی جو تمہارے خطوط میں بیان کی گئی تھی اور جس کا تمہارے قاصد میرے پاس پیام لے کر آئے تھے تو پھر میں واپس ہو جاتا ہوں۔

اب حُر نے آپ کی تقریر سن کر جواب میں کہا۔

انا واللّٰہ ماندری ما ھٰذہ الکتب التی تذکر۔ (ص۳۰۳ ج۵)

خدا کی قسم ہم نہیں جانتے، آپ کن خطوط کا ذکر فرما رہے ہیں۔

اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عقبہ بن سمعان سے فرمایا کہ ذرا وہ دونوں خرجینیں تو لاؤ جن میں میرے نام ان کوفیوں کے خطوط ہیں، چنانچہ وہ دونوں خرجینیں جو خطوط سے پر تھیں، ان لوگوں کے سامنے لاکر خالی کر دی گئیں اور آپ نے ان خطوط کو پھیلا کر ان کے سامنے ڈال دیا، حُر نے اب بھی یہی جواب دیا کہ،

فانا لسنا من ھٰؤلاء الذین کتبوا

ہم تو وہ نہیں ہیں جنھوں نے

الیک، وقد امرنا اذا نحن لقیناک الّا نفارقک حتیٰ نقدمک علیٰ عبید اللہ بن زیاد (ص ۲۰۲ ج ۵)
آپ کو خطوط لکھے تھے ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ جیسے ہی آپ کا ہمارا آمنا سامنا ہو تو اس وقت تک آپ کو نہ چھوڑیں جب تک کہ عبید اللہ بن زیاد کے سامنے لے جا کر پیش نہ کردیں۔

اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

الموت ادنیٰ الیک من ذلک
اس کی تعمیل میں تو موت تمہارے زیادہ قریب ہے

یہ فرما کر حضرت ممدوح نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ چلو سوار ہو کر واپس چلیں۔ مگر جب یہ حضرات سوار ہو کر وطن واپس جانے کے لیے آمادہ ہوئے تو حرؓ اور اس کا رسالہ راستہ روک کر کھڑا ہو گیا، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حرؓ سے فرمایا، آخر تم کیا چاہتے ہو حرؓ نے پھر وہی جواب دیا۔

ارید واللہ ان انطلق بک الیٰ عبید اللہ بن زیاد (ص ۲۰۲ ج ۵)
بخدا میں یہی چاہتا ہوں کہ آپ کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے چلوں

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اذن واللہ لا اتبعک۔
خدا کی قسم، ایسی صورت میں میں تیرا تابع نہیں ہو سکتا۔

اس پر حرؓ نے کہا۔

اذن واللہ لا ادعک
خدا کی قسم میں بھی اب تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔

طرفین سے گفتگو میں تلخی بڑھی تو حرؓ کہنے لگا کہ مجھے آپ سے قتال کا تو حکم نہیں ملا، البتہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تک آپ کو کوفہ پہنچا دوں آپ کا پیچھا نہ چھوڑوں اب اگر آپ نہیں مانتے تو پھر ایسی راہ لیجئے جو نہ کوفہ کو جاتی ہو اور نہ مدینہ کو، یہ بات میرے اور آپ کے مابین انصاف کی ہے۔ میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں اور آپ

چاہیں تو یزید بن معاویہ کو لکھیں چاہیں عبید اللہ بن زیاد کو، شاید اللہ تعالےٰ اس میں کوئی ایسی عافیت کی صورت پیدا کر دے کہ مجھے آپ کے بارے میں کوئی ابتلاء پیش آئے "

چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ عذیب اور قادسیہ کی راہ پر بائیں سمت کو مڑ گئے، حرؒ کا دستہ ساتھ نہیں چھوڑتا تھا، اگلی منزل میں جب مقام "بیضہ" پر پہنچے جو واقصہ اور عذیب کے مابین پانی کا ایک تالاب تھا، تو آپ نے وہ خطبہ ارشاد فرمایا جس کا حوالہ "داستان گو" نے دیا ہے اور اس کے نقل کرنے سے پہلے اپنے جی سے گھڑ کر یہ اضافہ کر دیا ہے۔

" دوسرے دن آپ کے ہمراہی کوفیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ دمشق نہ جائیں اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے اپنے والد کی طرح اہل شام سے جنگ کریں آپ نے اس سے انکار کیا حتیٰ کہ آپ نے یہاں تک فرمایا الخ "
("داستان کربلا" ص ۸۷)

حالانکہ تاریخ طبری میں کہیں اس بات کا نام و نشان تک نہیں جو" داستان گو" نے بیان کی ہے چنانچہ طبری کی اصل عبارت ملاحظہ ہو جو درج ذیل ہے۔

ان الحسین خطب أصحابه و أصحاب الحر بالبيضة فحمد الله واثنى عليه ثم قال ايها الناس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من رأى سلطاناً جائراً مستحلاً لحرم الله ناكثاً لعهد الله	حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مقام "بیضہ" میں پہنچ کر اپنے اصحاب اور حرؒ کے رفقاء کے سامنے خطبہ دیا، جس میں حق تعالےٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا لوگو! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے" جو کسی ظالم حکمران کو اس

اپنے ہی اصحاب سے نہیں جو کہ مقتل سے آپ کے ہمرکاب تھے، حرّ اور اس کی فوج پر حجت قائم کرنے کے بعد آپ اپنے قافلہ کے ساتھ عازم مدینہ ہونا چاہتے ہیں، حرّ اور اس کا رسالہ سدّ راہ بن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور آپ کو مدینہ طیبّہ کی طرف جانے نہیں دیتا، مگر "داستان گو" صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجائے مدینہ طیبہ کے یزید کی بیعت کے لیے دمشق جا رہے تھے اور آپ کے ساتھیوں نے سازش کر کے عصر و مغرب کے مابین کیمپ میں اچانک حملہ کر کے آپ کو شہید کر ڈالا اور پھر اس پر طبری کا حوالہ بھی دے رہے ہیں، سمجھتے ہیں کہ کون اصل کتاب سے مراجعت کرے گا جو ہمارے جھوٹ کی پول کھلے گی اور اس فریب کا پردہ چاک ہو گا۔

بھلا سوچنے کی بات ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ خطاب اپنے ان جاں نثار ساتھیوں سے کریں گے جو کہ مقتل سے آپ کے ساتھ تھے اور جنہوں نے آپ ہی کے سامنے میدانِ کربلا میں جامِ شہادت نوش کیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔ اور طبری میں "داستان گو" صاحب کو وہ کونسا لفظ ملا ہے جس کا ترجمہ بڑا احمق کیا گیا ہے؟

"جلاء العیون" کے بارے میں اسی "داستانِ کربلا" کے الفاظ ہیں
"شیعہ کتاب جلاء العیون"

اس لیے ہمیں اس سے مراجعت کی ضرورت نہیں، گو "داستان گو" صاحب کی بات کا بھی کچھ اعتبار نہیں۔ دروغ گوئی اور بہتان طرازی روافض و نواصب دونوں کا شیوہ ہے۔

معلوم نہیں کہ "مجلس حضرت عثمان غنی" کیوں عام مسلمانوں کو ایک غلط بات کو صحیح باور کرانے پر تلی ہوئی ہے۔ تمام اہل السنت والجماعت حضرات صحابہ کرام و اہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں رافضیوں کی خرافات پر

اعتماد کرتے ہیں، نہ ناصبیوں کی بکواس پر، اور نہ ان کے بڑے بھائی خارجیوں کی لغویات پر، کیونکہ رافضیوں کو حضرات خلفاء ثلاثہ اور عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیر ہے اور خارجیوں کو حضرت عثمان حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے رفقاء سے عناد ہے اور ناصبیوں کو بالخصوص حضرت علی، حضرات حسنین اور ان کی اولاد امجاد رضی اللہ عنہم سے۔ "نواصب" کو اگلے زمانہ میں "شیعہ عثمان" "شیعہ مروانیہ" اور "شیعہ امویہ" کہا جاتا تھا، بنی امیہ کی حکومت کے ساتھ ایک فرقہ کی حیثیت سے ان کا وجود بھی ختم ہو گیا تھا، اب پھر محمود احمد عباسی نے "خلافت معاویہ و یزید" لکھ کر اس فتنہ کو نئے سرے سے ابھارا ہے۔ "مجلس عثمان غنی" بھی اپنے شائع کردہ کتابچوں کے ذریعہ اسی فتنہ کو ہوا دے رہی ہے، اور ان سادہ لوح مسلمانوں کے عقائد خراب کرنے کے درپے ہے جن کو اپنی نادانی سے اس فتنہ کا علم نہیں کہ یہ کیا ہے، وہ اپنی سادگی سے یہی سمجھ رہے ہیں کہ یہ بھی کوئی روافض کی تردید کا مشغلہ ہے حالانکہ اصل بات یہ نہیں بلکہ یہ ناصبی شیعان عثمانؓ مجلس حضرت عثمان غنیؓ کے نام پر رافضیوں کے تمام سب و شتم کا بدلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کے صاحبزادے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لینا چاہتے ہیں، سچ ہے۔

ما سلم الصدیق من رافض ما نجی من ناصبین علی

(حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی رافضی کے تبرا سے محفوظ نہ رہ سکے اور ناصبیوں کی طعن سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نجات نہ ملی)

تیسرے جھوٹ کی تصحیح کہ یزید کی فوج نے حضرت حسین کو قتل نہیں کیا

(۴) "داستان گو" صاحب نے "البدایہ والنہایہ" کی عربی

عبارت سے اس داستان کا آغاز کیا اور اس کا ترجمہ بھی آگے چل کر لکھا مگر صفحہ اور جلد کا حوالہ غلط دیا یعنی (جلد نہم صـــ۱۵۳) لکھا حالانکہ یہ عبارت جلد ہشتم میں ہے۔ غنیمت ہے ان کو یہ تسلیم ہے کہ

"البدایہ والنہایہ" مشہور عربی تاریخ ہے"

مگر تعجب ہے کہ حافظ ابن کثیر نے اسی "البدایہ والنہایہ" کے اسی صفحہ پر جو یہ لکھا ہے وہ نظر نہ آیا۔

کتب یزید الی ابن زیاد انہ قد بلغنی ان حسیناً قد سار الی الکوفۃ وقد ابتلی بہ زمانک من بین الأزمان و بلدک من بین البلدان وابتلیت انت بہ من بین العمال وعندھا تعتق او تعود عبداً کما تعتق العبید وتعبد فقتلہ ابن زیاد، وبعث برأسہ الیہ۔
(ج-۸ ص ۱۶۵ طبع بیروت ۱۹۶۶ء)

یزید نے ابن زیاد کو لکھا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ حسین کوفہ کی طرف چل پڑے ہیں، اب زمانوں میں تیرا زمانہ اور شہروں میں تیرا شہر ان کے بارے میں مبتلا ہوا ہے اور گورنروں میں تو خود ان کے معاملہ میں مبتلا ہو چکا ہے اور ایسی صورت میں یا تو تو آزاد کر دیا جائے گا یا جس طرح غلاموں کو غلام رکھا جاتا ہے تجھے بھی غلام بنا دیا جائیگا چنانچہ ابن زیاد نے حضرت حسین کو قتل کر کے ان کا سر یزید کے پاس بھیج دیا۔

اسی "البدایہ والنہایہ" میں یہ بھی ہے کہ

ولبث عبید اللہ بن زیاد عمر بن سعد لقتالھم
(ج-۸ ص...)

عبیداللہ بن زیاد نے عمر بن سعد کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے رفقاء سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا

اور یہ بھی کہ

وابطأ عمر عن قتاله فارسل ابن زياد شمر بن ذی الجوشن و قال له ان تقدم عمر فقاتل والا فاقتله وكن مكانه فقد وليتك الامرة ۔ (ج۸ ص۱۷۰)

عمر (ابن سعد) نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قتال میں تاخیر سے کام لیا تو ابن زیاد نے شمر بن ذی الجوشن کو یہ کہہ کر بھیجا کہ اگر عمر قتال میں پیش قدمی کرے تو تو بھی جنگ میں شریک ہو جانا ورنہ عمر (ابن سعد) کو قتل کر کے اس کی جگہ خود سنبھال لینا، میں تجھ کو امیر لشکر کرتا ہوں۔

اس فوج کی تعداد جو عمر بن سعد کی کمان میں تھی "البدایہ والنہایہ" ہی میں یہ بتائی ہے کہ

وكانوا اربعة آلاف يريدون قتال الديلم، فبعثهم ابن زياد وصرفهم الى قتال الحسين ۔ (ایضاً)

چار ہزار سپاہی تھے جو دیلم سے جنگ کرنے کے ارادہ سے چلے تھے ان کو ابن زیاد نے قتال دیلم سے روک کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قتال کے لیے متعین کیا۔

عمر بن سعد کو تعمیلِ حکم سے کب انکار تھا جیسے ہی ابن زیاد کا حکم اس کو پہنچا،

فوثب الى فرسه فركبها ثم دعا بسلاحه فلبسه وانه لعلى فرسه ونهض بالناس اليهم فقاتلوهم فجيء برأس الحسين الى ابن زياد فوضع بين يديه فجعل يقول بقضيبه في انفه

عمر بن سعد جھپٹ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا پھر سواری ہی کی حالت میں اپنے ہتھیار منگوا کر ان کو اپنے بدن پر سجایا اور فوج لے کر سیدھا ان حضرات کے مقابلہ کے لیے چل پڑا، فوج نے جاتے ہی کشت و خون شروع کر دیا، چنانچہ

يقول ان ابا عبد الله كان قد شمط	حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا سر مبارک کاٹ کر ابن زیاد کے سامنے ڈال دیا گیا اور ابن زیاد اپنی چھڑی آپکی ناک پر رکھتا اور کہتا کہ ابو عبد اللہ کے بال تو اب پک چکے ہیں۔
(ج ٨ ص ١٧١)	

شمر اپنی خباثت سے فوج کے سپاہیوں کو حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کے قتل پر اس وقت بھی ابھار رہا تھا، جب کہ آپ کے تمام رفقاء یکے بعد دیگرے جام شہادت نوش کر کے راہی جنت ہو چکے تھے اور آپ یکہ وتنہا میدان قتال میں ثابت قدم تھے اور کیوں نہ ہو حضرت صادق نے تو اس کو دیکھتے ہی فرما دیا تھا۔

صدق الله ورسولهٗ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كانى انظر الى كلب ابقع يلغ فى دماء اهل بيتى	اللہ سچا، اس کا رسول سچا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا گویا میں دیکھ رہا ہوں اس چتکبرے کتے کو جو میرے اہل بیت کے خون میں منہ ڈالے گا

(البدایہ والنہایہ ج ٨ صفحہ ١٨٨)

اس روایت کے آخر میں راوی کی یہ بھی تصریح ہے۔

وكان شمر قبحهٗ الله ابرص	شمر اللہ اس کا برا کرے برص میں مبتلا تھا
(ج ٨ ص ١٨٩)	

مگر "داستان گو" اسی کتے کو خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں، قاتلوں کو محافظ بتا رہے ہیں۔ کہتے ہیں۔

"عمر بن سعد، شمر ذی الجوشن، خاندان علی کو کوفیوں کے حملے سے بچانے کے لیے دوڑ کر پہنچے،"

(ص ١٠)

"عمر بن سعد اور شمر نے خاندان علی کی نعشوں کو اکٹھا کیا ان کی نماز

جنازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ دفن کر دیا، کوفیوں کی
لاشوں کو وہیں پڑا رہنے دیا بلکہ دستہ کے بعض سواروں نے انھیں پامال
بھی کیا تاکہ عبرت کا سامان بن جائیں" (ص ۱۰)

حالانکہ "البدایہ والنہایہ" میں اس کے برعکس مرقوم ہے۔

وقتل من اصحاب الحسين اثنان وسبعون نفساً فدفنهم اهل الغاضرية من بني اسد بعد ما قتلوا بيوم واحد

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے بہتر ۷۲ نفوس شہید ہوئے جن کو غاضریہ کے رہنے والے قبیلہ بنی اسد کے لوگوں نے قتل کے دوسرے دن دفن کیا

(ص ۱۸۹ ج ۸)

"غاضریہ" کوفہ کے نواح میں "کربلا" کے قریب ایک قریہ کا نام ہے جو قبیلہ بنو اسد کا مسکن تھا، ہاں عمر بن سعد نے اپنی فوج کے مقتولین پر جو شہدائے کربلا کے ہاتھوں مارے گئے تھے بے شک نمازِ جنازہ ادا کی تھی اور انھیں کی لاشوں کو اس نے دفن بھی کیا تھا۔ "البدایہ والنہایہ" میں ہے

وقتل من اهل الكوفة من اصحاب عمر بن سعد ثمانية وثمانين رجلاً سوى الجرحى فصلى عليهم عمر بن سعد ودفنهم، و يقال ان عمر بن سعد امر عشرة فرسان فداسوا الحسين بحوافر خيولهم حتى الصقوه بالارض يوم المعركة وامر

اور عمر بن سعد کے ساتھی اہل کوفہ میں سے اٹھاسی ۸۸ اشخاص قتل ہوئے، زخمیوں کی تعداد ان کے علاوہ ہے، عمر بن سعد نے ان مقتولین کی نماز جنازہ ادا کر کے ان کو دفن کیا اور بیان کیا جاتا ہے کہ عمر بن سعد نے معرکہ کے دن دس ۱۰ سواروں کو حکم دیا جنھوں نے اپنی گھوڑوں کے سموں سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

برأسہ ان یحمل من یومہ الی ابن زیاد مع خولی ابن یزید الاصبحی۔	کے لاشہ کو پامال کر کے پیوند زمین کر دیا اور آپ کے سر مبارک کے متعلق آرڈر دیا کہ اسی دن اس کو اٹھا کر خولی بن یزید اصبحی کے ساتھ ابن زیاد کو بھیجا دیا جائے۔

(ج - ۸ ص ۱۸۹)

نہ صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک بلکہ تمام شہداء کربلا کے سر کاٹ کر جن میں یہ سات حضرات بھی شامل تھے خولی کے ساتھ ابن زیاد کے پاس روانہ کر دیئے گئے تھے، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک جب عبیداللہ بن زیاد کے پاس پہنچا تو اس نے شہر میں منادی کرا کر لوگوں کو جمع کیا اور پھر ان کے سامنے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے سلسلہ میں اپنی فتح و کامرانی کی تقریر بھی کی۔ اس تقریر میں حضرت ممدوح پر طعن و طنز بھی تھا جس پر عبداللہ بن عفیف ازدی نے برافروختہ ہو کر ابن زیاد کو ان الفاظ میں ٹوکا۔

ویحك یا ابن زیاد اتقتلون اولاد النبیین وتتکلمون بکلام الصدیقین	ابن زیاد تجھ پر افسوس ! تم لوگ انبیاء کی اولاد کو قتل کر کے صدیقوں کی سی باتیں کرتے ہو۔

اس کلمہ حق کو سننے کی بھلا ابن زیاد میں تاب کہاں تھی فوراً حکم دیا کہ اس گستاخی کی پاداش میں اس غریب کو قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا جائے۔ ازاں بعد "سر حسین" کا کوفہ کے تمام گلی کوچوں میں گشت کرایا گیا پھر زحر بن قیس کی معیت میں تمام شہداء کربلا کے مبارک سروں کو یزید بن معاویہ کے پاس شام روانہ کر دیا۔ دربار یزید میں پہنچ کر زحر بن قیس نے اپنے سیاہ کارنامہ کو جن الفاظ میں پیش کیا، وہ یہ ہیں۔

ابشر یا امیر المؤمنین بفتح الله علیك ونصره، ورد علینا الحسین بن علی بن أبی طالب وثمانیة عشر من اهل بیته وستون رجلاً من شیعته فسرنا الیهم فسألناهم ان یستسلموا وینزلوا علی حکم الامیر عبید الله بن زیاد او القتال، فاختاروا القتال فغدونا الیهم مع شروق الشمس فاحطنا بهم من کل ناحیة حتی اخذت السیوف ماخذها من هام القوم، فجعلوا یهربون الی غیر مهرب ولا وزر، ویلوذون منا بالآکام والحفر لواذاً کما لاذ الحمام من صقر، فوالله ما کانوا الا جزر جزور او نومة قائل حتی أتینا علی آخرهم فهاتیك اجسادهم مجردة و ثیابهم مرملة وخدودهم معفرة، تصهرهم الشمس وتسفی علیهم الریح و زوارهم العقبان والرخم

امیر المؤمنین آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح ونصرت کی بشارت ہو حسین بن علی بن ابی طالب اور ان کے اہل بیت کے اٹھارہ افراد اور ان کے شیعان میں "ساٹھ اشخاص" ہمارے یہاں وارد ہوئے تو ہم بھی ان کی طرف چل پڑے اور ہم نے ان سے یہ مطالبہ کیا کہ امیر عبید اللہ بن زیاد کے آگے سر تسلیم خم کر دیں اور اس کے حکم پر اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کر دیں یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائیں، انہوں نے جنگ ہی کو پسند کیا، تو ہم نے صبح سویرے جیسے ہی آفتاب چمکا ان لوگوں کو جا لیا اور ہر طرف سے ان کو گھیر لیا، آخر جب تلواروں نے ان کی کھوپڑیوں کی صحیح صحیح گرفت شروع کی، تو یہ ادھر بھاگنے لگے جدھر بھاگنے کی ان کے لیے نہ کوئی جگہ تھی نہ جائے پناہ اور جس طرح شکرے سے کبوتر پناہ ڈھونڈتا ہے یہ بھی ٹیلوں اور گڑھوں میں ہم سے پناہ ڈھونڈنے لگے، سو خدا کی قسم بس جتنی دیر میں اونٹ کاٹ کر رکھ دیا جاتا ہے یا قیلولہ کرنے والا اپنی نیند پوری کر لیتا ہے اتنی دیر میں ہم نے ان کے آخری فرد تک کا کام تمام کر دیا سو اب ان کے لاشے برہنہ پڑے ہیں اور ان کے

کپڑے پھٹے جا چکے ہیں ان کے رخسار خاک
میں لتھڑے ہوئے ہیں دھوپ ان کو جلا رہی
ہے اور ہوا ان پر خاک اڑاتی ہے عقاب
اور گدھ ان کی لاشوں پر منڈلا رہے ہیں

(البدایہ والنہایہ ص ۱۹۱ ج ۸)

زحر بن قیس نے بھی اگرچہ یزید کے سامنے اپنی بہادری کی ڈینگیں مارتے ہوئے ان حضرات کی ہجو میں کچھ کم جھوٹ نہیں بکا ہے، تاہم " مجلسِ حضرت عثمان غنیؓ " کے داستان گو کے علی الرغم اس نے صاف اقرار کیا ہے کہ وہ ساٹھ کوفی حضرات جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں تھے، انہوں نے حضرت ممدوح کی نصرت ہی میں اپنی جانیں نثار کی تھیں اور خود کوفہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد کا اس بارے میں اعتراف موجود ہے یزید نے اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں جب حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گرفتار کرنے کی غرض سے مکہ معظمہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا، تو اس مہم کی سرکردگی کے لیے بھی اس کی نظر انتخاب سب سے پہلے ابن زیاد ہی پر پڑی تھی، چنانچہ جب اس خدمت کی انجام دہی کے لیے یزید نے اس کو لکھ کر بھیجا، تو ابن زیاد کی زبان سے بے اختیار یہ نکل گیا کہ

والله لا اجمعهما للفاسق ابدا اقتل ابن بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم والغزو البيت الحرام

خدا کی قسم میں اس فاسق کی خاطر کبھی بھی دونوں گناہ اپنے نامۂ اعمال میں جمع نہیں کر سکتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو تو قتل کر دیا، اب بیت الحرام پر چڑھائی کر دوں

(البدایہ والنہایہ ص ۲۱۹ ج ۸)

یاد رکھیے " داستان گو " صاحب نے جن شہدائے کرام کے بارے میں یہ ہرزہ سرائی کی ہے، یہ وہی شہدائے کرام ہیں جن کے بارے میں وارد ہے کہ " وہ جنت میں بے حساب داخل ہوں گے " چنانچہ حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں:

وقد روی محمد بن سعد وغیرہ من غیر وجہ عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ مرّ بکربلاء عند اشجار الحنظل و ھو ذاھب الی صفین، فسأل عن اسمھا فقیل کربلاء فقال کرب وبلاء فنزل وصلّی عند شجرۃ ھناک ثم قال یقتل ھھنا شہداء ھم خیر الشہداء غیر الصحابۃ یدخلون الجنۃ بغیر حساب واشار الی مکان ھناک فعلموہ بشیٔ فقتل فیہ الحسین

(ج ۸ ص ۱۹۹، ۲۰۰)

حافظ محمد بن سعد وغیرہ نے متعدد اسانید سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ جب آپ "صفین" کی طرف جارہے تھے تو مقام کربلا میں حنظل (اندرائن) کے درختوں کے پاس سے گزرے آپ نے اس مقام کا نام دریافت کیا تو بتایا گیا "کربلا" ہے فرمایا کرب وبلا ہے، پھر سواری سے اتر کر آپ نے وہاں ایک درخت کے پاس نماز پڑھی پھر ارشاد فرمایا کہ "یہاں وہ شہداء قتل کیے جائیں گے جو صحابہ کے علاوہ بہترین شہداء ہوں گے اور بلا حساب جنت میں جائیں گے اور یہ (فرماتے ہوئے) آپ نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا لوگوں نے وہاں کچھ نشانی بھی لگا دی، چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اسی جگہ پر قتل ہوئے

ظلم کا انجام یزید نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل کو ختم کرنا چاہا تھا، مگر حق تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا کچھ ہی عرصہ کے بعد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل تو چار دانگ عالم میں پھیل گئی اور آج حسینی سادات اقالیم اسلامی کے گوشہ گوشہ میں موجود ہیں، لیکن یزید کی نسل اسی زمانہ سے ایسی نابود ہونا شروع ہوئی کہ پردہ دنیا سے اس کا وجود ہی اٹھ گیا۔ حافظ ابن کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" میں یزید بن معاویہ کی بیس صلبی اولاد کو نام بنام گنا کر جن میں

پندرہ لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں، تصریح کی ہے۔

وقد انقرضوا کافۃ فلم یبق لیزید عقب (ج۸ ص۲۳۷) — سب ایسے ختم ہوئے کہ یزید کی نسل میں سے کوئی ایک بھی تو باقی نہ بچا۔

اور حافظ ابن کثیرؒ کے الفاظ ہیں۔

فانہ لم یمھل بعد وقعۃ الحرۃ وقتل الحسین الا یسیراً حتی قصمہ اللہ الذی قصم الجبابرۃ قبلہ و بعدہ، انہ کان علیما قدیراً۔ — سو بلاشبہ واقعہ حرّہ اور قتل حسین کے بعد یزید کو ڈھیل نہ دی گئی مگر ذراسی تاآنکہ حق تعالیٰ نے اس کو ہلاک کر دیا جو اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی ظالموں کو ہلاک کرتا رہا ہے بے شک وہ بڑا علم رکھتا ہے اور بڑی قدرت والا ہے۔

اور ۶۴ھ کے واقعات کے ذیل میں مسلم بن عقبہ کی موت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

ثم مات قبحہ اللہ ثم قصمہ اللہ بیزید بن معاویۃ فمات بعدہ فی ربیع الاول لاربع عشرۃ لیلۃ خلت منہ فما متعھما اللہ بشئ مما رجوہ واملوہ بل قھرھم القاھر فوق عبادہ و سلبھم الملک و نزعہ — پھر مسلم بن عقبہ، اللہ تعالیٰ اس کا برا کرے مر گیا اور یزید بن معاویہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس کے پیچھے چلتا کیا اور وہ بھی اس کے بعد ۱۴۔ ربیع الاوّل کو مر گیا اور ان دونوں کو جو امیدیں اور توقعات تھیں اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کوئی بھی پوری نہ کی بلکہ اس ذات قاہرہ نے جو اپنے سب بندوں پر غالب ہے ان پر اپنا قہر نازل فرمایا اور انکی بادشاہی سلب کر لی اور ان کی سلطنت اس نے

منهم من ينزع الملك ممن يشاء۔ چھین لی جو جس سے چاہتا ہے اسکی سلطنت چھین لیتا ہے۔

اور پھر واقعہ حرّہ کے مظالم کو بیان کرتے ہوئے آخر میں ان کے قلم سے یہ الفاظ نکلتے ہیں۔

وقد اخطأ يزيد خطأ فاحشا في قوله لمسلم بن عقبة ان يبيح المدينة ثلاثة أيام، وهذا خطأ كبير فاحش، مع ما انضم الى ذلك من قتل خلق من الصحابة وابناءهم وقد تقدم انه قتل الحسين واصحابه على يدى عبيدالله ابن زياد و قد وقع في هذه الثلاثة ايام من المفاسد العظيمة في المدينة النبوية مالا يحد ولا يوصف، مما لا يعلمه الا الله عزوجل وقد اراد بارسال مسلم ابن عقبة توطيد سلطانه و ملكه، و دوام ايامه

اور بے شک یزید نے مسلم بن عقبہ کو یہ حکم دے کر کہ تو تین دن تک مدینہ منورہ کو تباہ و تاراج کیجو، فحش غلطی کی۔ یہ نہایت بڑی اور فاحش خطا ہے اور اس خطار کے ساتھ صحابہ کرام اور اولادِ صحابہ کی ایک خلقت کا قتل اور شامل ہوگیا اور سابق میں گزر چکا کہ عبیداللہ بن زیاد کے ہاتھوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کو شہید کر دیا گیا اور ان تین دنوں میں مدینہ نبویہ میں وہ عظیم مفاسد برپا ہوئے کہ جو حد شمار سے باہر ہیں اور جن کا بیان کرنا بھی ممکن نہیں۔ بس اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کا پورا علم کسی کو نہیں۔

یزید نے تو مسلم بن عقبہ کو بھیج کر اپنی بادشاہی اور سلطنت کو مضبوط کرنا چاہا تھا اور اس کا خیال تھا کہ اب بلا نزاع کے اس کے ایام سلطنت کو دوام نصیب ہوگا مگر اللہ تعالیٰ

من غير منازع، فعاقبه الله بنقيض قصده وحال بينه وبين ما يشتهيه فقصمه الله قاصم الجبابرة واخذه اخذ عزيز مقتدر وَكَذَٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ[1]۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۲۲)

نے اس کی مراد کو الٹ کر اسے سزا دی اس کی ذات عالی یزید کے اور اسکی خواہش کے درمیان حائل ہو گئی (کہ اس کی تمنا پوری نہ ہو سکی) چنانچہ اللہ عزوجل نے جو ظالموں کی کمر توڑ کر رکھ دیتا ہے اس کی کمر بھی توڑ ڈالی اور اسی طرح اس کو دھر پکڑا جس طرح کہ ہر چیز پر غالب اور اقتدار والا پکڑا کرتا ہے "اور ایسی ہی ہے پکڑ تیرے رب کی جب پکڑتا ہے بستیوں کو اور وہ ظلم کرتے ہیں، بے شک اس کی پکڑ دردناک ہے شدید"

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را — چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

امویوں کا زوال یزید سے عبرت پکڑنا

خلیفہ عبدالملک اموی نے یزید کے زوال اقتدار سے عبرت پکڑ کر ہی اپنے گورنر حجاج بن یوسف کو لکھا تھا کہ

جنبني دماء آل بني ابي طالب فاني رايت آل حرب لما تهجموا بها لم ينصروا

(تاریخ الیعقوبی[3] ج ۲ ص ۳۰۲ طبع بیروت ۱۳۷۹ھ)

مجھے آل بنی ابو طالب کی خونریزی سے بچاتے رہنا کیونکہ میں آل حرب[2] کا انجام دیکھ چکا ہوں کہ یہ جب ان کی خونریزی پر پل پڑے تو بے یار و مددگار ہو کر رہ گئے۔

---

[1] قرآن پاک کی آیت ہے۔

[2] "حرب" یزید کے پردادا کا نام ہے اور یہاں "آل حرب" سے خود یزید مراد ہے۔

[3] یعقوبی اگرچہ شیعی ہے مگر ہم نے یہاں اس کا حوالہ قصداً دیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ترجمان

بقیہ ص ۹۵ پر

افسوس یہ ناصبی حضرت حسین رضی اللہ تعالٰے عنہ کی شان ہی سے ناواقف ہیں حافظ ابنِ کثیر نے اس دور کا بالکل صحیح نقشہ کھینچا ہے کہ

الناس انما میلهم الى الحسين	سب لوگوں کا میلان حضرت حسین رضی اللہ تعالٰی
لانهٗ السيد الكبير و ابن بنت	عنہ ہی کی طرف تھا کیونکہ وہی سید کبیر اور سبط
رسول الله صلّى الله عليه وسلّم	پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم تھے اور اس وقت
فليس على وجه الارض يومئذٍ احدٌ	روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جو (فضائل
يساميه ولا يساويه ولكن الدولة	وکمالات میں) آپ کا مقابلہ یا برابری کرسکے
اليزيدية كانت كلها تناوئه۔	لیکن یزیدی حکومت ساری کی ساری آپ
(البدایہ والنہایہ ج - ۸ ص ۱۵۱)	کی دشمنی پر اتر آئی تھی۔

یہ ہے اختصار کے ساتھ صورت واقعہ کا اصل نقشہ جو حافظ ابن کثیر کی مشہور عربی تاریخ "البدایہ والنہایہ" سے انہی کے الفاظ میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا، لیکن "داستان گو" صاحب کو ان تمام حقائق سے انکار ہے، وہ اپنی من گھڑت ہی دہرائے جاتے ہیں اور ان کو تاریخ ابن کثیر کا صرف وہی ایک فقرہ یاد ہے جو انھوں نے مسلمانوں کو مغالطہ دینے کے لیے نقل کیا ہے، اللہ تعالٰے جھوٹ بولنے سے بچائے۔

داستان گو کا حضرت ابنِ زبیر پر افترا

(۵) "داستان گو" صاحب آگے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) جو ہاشم کی خونریزی سے بچتے تھے ورنہ اس امر کا ذکر ابن تیمیہ کی "منہاج السنہ" میں بھی متعدد جگہ آیا ہے اور اسی لیے بنی امیہ کی شاخ بنی مروان سے بنی ہاشم کی قرابتیں بھی جاری رہیں اور ان میں باہمی رشتہ مناکحت بھی ہوتا رہا ہے۔ ورنہ خاندان یزید اور خاندان حسین میں واقعہ کربلا کے بعد قرابت کا کوئی سلسلہ قائم نہ ہوا۔ جیسا کہ محمود احمد عباسی نے خلافتِ معاویہ ویزید میں مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔

چل کر "اصل حقیقت" کے زیر عنوان پھر اسی بات کو نئے سرے سے دہرا کر بد فریبی کی اس طرح کوشش کرتے ہیں۔

"حضرت حسینؓ کا قتل ان کوفیوں نے کیا جو آپ کو مکہ سے لے کر آتے تھے، اس کا ثبوت طبری کی اس روایت سے مل جاتا ہے جس میں اس حادثہ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تقریر کا ذکر ہے (طبری حصہ چہارم باب ۲۱) کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے قتل حسین کے سانحہ کی اطلاع پاکر اہل مکہ کے سامنے یہ تقریر کی تھی۔

"اہل عراق میں اکثر بدکردار اور غدار ہیں ان میں اہل کوفہ بدترین ہیں جنہی کو انہوں نے اس لیے بلایا کہ ان کی مدد کریں گے، جب وہ ان کے پاس چلے گئے تو ان سے لڑنے کھڑے ہو گئے، واللہ حسین یہ بات نہیں سمجھے کہ اس انبوہ کثیر میں ان کے مخلص ساتھی بہت تھوڑے ہیں"

"ان کے بقیہ اہل خاندان نے بھی ان کے قتل کا الزام کوفیوں پر ہی عائد کیا عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی کوفیوں کی غداری کو ہی قتل کا موجب بتایا اور اس وقت کی پوری اسلامی دنیا نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا چنانچہ جن لوگوں اور گروہوں نے اس زمانہ میں کسی وجہ سے خلافت کے خلاف بغاوت کی، ان میں سے کسی نے خلیفہ یا اس کے عمال پر حضرت حسینؓ کے قتل کی ذمہ داری عائد نہیں کی"

("داستان کربلا" ص ۲۴، ۲۵)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی جو تقریر "داستان گو" صاحب نے نقل کی ہے غور فرمائیے! اس میں کہاں یہ ذکر ہے کہ "آپ کو انہی ساٹھ کوفیوں نے شہید کیا ہے جو آپ کے ہمراہ مکہ معظمہ سے گئے تھے" کیا ان ساٹھ افراد کے علاوہ کوفہ میں اور کوئی متنفس نہیں بستا تھا ؟ کیا کوفہ کی آبادی بس ان ہی ساٹھ نفوس پر مشتمل

تھی؟ کیا یزیدی لشکر جس کی نفری چار ہزار تھی اور جو عمر بن سعد کی سرکردگی میں ابن زیاد کے حکم سے حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے لڑنے آیا تھا کوفہ سے نہیں آیا تھا؟ کیا اس فوج کے افراد کوفہ کے رہنے والے نہ تھے؟ کیا شمر کوفی نہ تھا؟ کیا عمر بن سعد کوفہ سے نہیں آیا تھا؟ کیا عبیداللہ بن زیاد اس وقت کوفہ کا گورنر نہ تھا؟

یہی کوفی تو تھے جو ابن زیاد کی ترغیب و تحریص پر عمر بن سعد کے زیر کمان حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے لڑنے کے لئے آئے یہی ان بہتر نفوس کے قاتل ہیں جن میں حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ، ان کے اہل بیت اور وہ ساٹھ کوفی شامل ہیں جو حضرت ممدوح کے ساتھ میدانِ کربلا میں شہید ہوئے "داستان گو" صاحب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے اہل بیت کرام کے خون کا الزام خلیفہ یزید، اس کے باعمال عمّال اور یزیدی دستہ فوج کی بجائے جو تمام تر کوفیوں پر مشتمل تھی اور جس کو ابن زیاد نے زور و زر سے رام کر کے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا تھا، ان کوفی شہیدانِ کربلا پر ڈالنا چاہتے ہیں جنھوں نے بڑی بہادری کے ساتھ برضا و رغبت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اپنی جانیں قربان کیں، ظاہر ہے جو شخص جھوٹ بولنے سے ذرا نہ شرماتا ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا پر تہمت جوڑنے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو متہم کرے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کو عجمی سازش کا نتیجہ قرار دے کر اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور افرادِ بنی ہاشم کو ملوث کرے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر بلوائیوں کو کسانے اور ان کی قیادت کرنے کا الزام حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر عائد کرے

اور حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے سلسلہ میں بقیہ حضرات عشرہ مبشرہ حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور ان حضرات کے صاحبزادگان حضرات حسنین، حضرت محمد بن طلحہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ذمہ دار ٹھہرائے اس سے اس کے سوا اور کیا امید کی جا سکتی ہے کہ وہ خود "شہدائے کربلا" کو حضرت حسین اور ان کے اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قاتل بتلائے ایسا شخص جتنا بھی جھوٹ بولے کم ہے! افسوس ان سادہ لوح حضرات پر ہے جو اس مجلس کے جلسوں کی صدارت کرتے ہیں، اس کے کتابچوں پر تقریظیں لکھتے ہیں، ان کی مالی امداد کر کے اس کے ان کتابچوں کو جو جھوٹ کی پوٹ ہیں چھپواتے ہیں اور پھر ان کو خرید کر بانٹتے اور تقسیم کرتے ہیں۔

فان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ　　و ان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

(اگر تم جانتے نہیں تو یہ مصیبت ہے اور جو جانتے ہوئے (ایسا کرتے ہو) تو پھر بہت ہی بڑی مصیبت ہے۔)

"داستان گو" صاحب کو اتنا بھی یاد نہ رہا کہ میں پیچھے یہ لکھ آیا ہوں کہ "بہر حال عمر بن سعد اور شمر نے خانوادہ علی کی نعشوں کو اکٹھا کیا، ان کی نماز جنازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ دفن کر دیا۔۔۔۔

خانوادہ علی کے بچے کچھے افراد و خواتین کو کوفہ لا کر آرام سے رکھا، جو لوگ زخمی ہو گئے تھے ان کا علاج کیا۔

کوفہ میں بعض شیعان علی نے خفیہ طور سے ان حضرات سے ملاقات کی اپنی ہمدردیاں جتائیں، انھیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا

ملہ "داستان گو" کی اس افتراء پردازی کی تفصیل معلوم کرنا ہو تو رسالہ "اکابر صحابہ پر بہتان" ملاحظہ فرمائیں۔

کہ مکہ چلے جائیں، لیکن حضرت حسین کے صاحبزادے زین العابدین نے جنہیں زخمی کر کے کوفی سمجھتے تھے کہ مر چکے ہیں مگر خوش قسمتی سے زندہ بچ گئے تھے اور اب کوفہ میں ابن زیاد، عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن کی سرپرستی و دیکھ بھال میں علاج کرا رہے تھے۔ فرمایا

"میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا تم نہیں جانتے کہ تم نے ہی میرے پدر بزرگوار کو خطوط لکھ کر اور فریب دے کر بلایا اور ان سے جنگ کر کے انہیں مار دیا، اے غدارو! اے مکارو! میں ہرگز تمہارے فریب میں نہیں آؤں گا، ہرگز تمہارے قول و قرار پر اعتبار نہیں کروں گا، میرے باپ اور میرے اہل خانہ ابھی کل تمہارے گھر سے قتل ہوئے ہیں میں اسے نہیں بھول سکتا ہوں۔" (تنبیہ کتاب، جلاء العیون باب ۵ فصل ۱۵)

یہی جواب سیدہ زینب نے دیا، آپ نے یہاں تک کہا کہ تم ہمارے پاس گریہ و ماتم کرتے ہوئے آئے ہو حالانکہ تم نے ہی ہمیں قتل کرایا ہے، جاؤ یہ عار کا دھبہ اب رونے سے زائل نہیں ہو سکتا۔ (تنبیہ کتاب، جلاء العیون باب ۵ فصل ۱۵)

"فاطمہ بنت حسین نے بھی یہی زجر و توبیخ کی" (داستان کربلا ص ۱۲۰، ۱۲۱)

"داستان گو" صاحب اپنی بنائی ہوئی داستان پر غور کر کے ذرا یہ بتائیں کہ حضرت زین العابدین، حضرت زینب اور حضرت فاطمہ بنت حسین رحمہم اللہ تعالیٰ کے پاس کوفہ میں جو بعض شیعان علی خفیہ طور سے ملاقات کے لیے آئے، اپنی ہمدردیاں جتائیں اور انہیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا کہ مکہ چلے جائیں" اور جن کے غلط مشورے اور ہمدردیاں جتانے سے ان تینوں حضرات نے برہم ہو کر ان سے یہ گفتگو کی جو "داستان گو"

صاحب نے "جلاء العیون" کے حوالہ سے نقل کی ہے، کیا یہ وہی مردے تھے جو دوبارہ زندہ ہو کر ان حضرات کے پاس آ گئے تھے جن کو بقول ان کے ابھی کل شام گھیر گھیر کر اور پکڑ پکڑ کر عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن اور ان کے لشکریوں نے قتل کروا دیا تھا اور ان کے دستہ کے بعض سواروں نے ان کی لاشوں کو پامال بھی کیا تھا، "تاکہ عبرت کا سامان بن جائیں، یعنی وہی ساٹھ کوفی "شہداء کربلا" (رحمہم اللہ تعالےٰ) کربن کر واپس آگئے"

صاحب حضرت حسین اور ان کے اہلِ بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قاتل بتاتے ہیں یا یہ وہ لوگ تھے جو عبیداللہ بن زیاد کے دباؤ میں آکر عمر بن سعد کی کمان میں اور شمر کی معیت میں حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور آپ کے جانثاروں سے لڑنے آئے تھے اور جو واقعی حضرات "شہداء کربلا" کے اصل قاتل تھے اور اس لیے بجا طور پر زجر و توبیخ کے مستحق اور لعن طعن کے قابل تھے، اس لیے ان کو جتنی بھی سرزنش کی جاتی کم تھی۔

اب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس تقریر کے اصل الفاظ بھی پڑھ لیجیے جس کو احمد حسین کمال نے مؤرخ طبری کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اس پر غور کیجیے کہ یہ صاحب زیبِ داستان کے لیے صورتِ واقعہ کو مسخ کرنے میں کیا کمال دکھاتے ہیں۔ تاریخ طبری کی عبارت مندرجہ ذیل ہے

لما قتل الحسين عليه السلام	جب حضرت حسین علیہ السلام قتل کر دیے گئے
قام ابن الزبير فى اهل مكة	تو حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے اہلِ
وعظم مقتله وعاب اهل	مکہ کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر کی اور ان کے
الكوفة خاصة ولام اهل العراق	قتل کو بہت بڑا سانحہ قرار دیا، اہلِ کوفہ کا خصوصیت
عامة، فقال بعد ان حمد الله و	کے ساتھ عیب بتایا اور عمومی طور پر اہلِ عراق
اثنى عليه وصلى على محمد صلى	کو ملامت کی، انھوں نے اللہ تعالےٰ کی حمد
الله عليه وسلم ان اهل العراق	و ثنا کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود

غُدُرٌ فُجُرٌ الا قليلا وان اهل
الكوفة شرار اهل العراق وانهم
دعوا حسيناً لينصروه و يولّوه
عليهم، فلما قدم عليه ثاروا
اليه، فقالوا لهٗ اما ان تضع يدك
في ايدينا فنبعث بك الى ابن زياد
بن سمية سلماً فيمضي فيك
حكمهٗ واما ان تحارب، فرأى
والله انهٗ هو واصحابه قليلٌ
في كثير، وان كان الله عزوجل
لم يطلع على الغيب احداً انهٗ
مقتول، ولكنهٗ اختار الميتة
الكريمة على الحياة الذميمة
فرحم الله حسيناً واخزى،
قاتل الحسين، لعمري لقد كان
من خلافهم اياه و
عصيانهم ما كان في
مثله واعظ و ناهٍ عنهم
و لكنهٗ ما حمّ نازل
واذا اراد الله امرًا لن
يدفع افبعد الحسين

بھیجنے کے بعد فرمایا کہ اہلِ عراق میں قلیل تعداد کو
مستثنیٰ کر کے اکثر غدار اور بدکار ہیں اور کوفہ والے
تو اہلِ عراق کے بدترین لوگ ہیں، انھوں نے
حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لیے بلایا
تھا کہ ان کی مدد کریں گے اور ان کو اپنا والی بنائیں
گے، پھر جب وہ ان کے پاس پہنچ گئے تو ان
کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ان سے مطالبہ
کرنے لگے کہ یا تو آپ اپنا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں
پکڑا دیں تاکہ ہم آپ کو گرفتار کر کے بحفاظت ابن
زیاد بن سمیہ کے پاس پہنچا دیں اور وہ اپنا حکم
آپ پر چلائے ورنہ آپ جنگ کے لیے تیار
رہیں، سو بخدا حسین نے یہ دیکھتے ہوئے کہ ان
کی کثیر تعداد کے مقابلہ میں آپ کی اور آپ کے
اصحاب کی تعداد قلیل ہے اور گو اللہ عزوجل
نے کسی کو غیب کی خبر نہ دی کہ وہ ضرور قتل ہو کر
رہے گا، تاہم آپ نے عزت کی موت کو ذلت
کی زندگی پر ترجیح دی، اللہ تعالیٰ حسین پر رحمت
نازل فرمائے اور ان کے قاتل کو رسوا کرے
بجانِ من ان لوگوں نے حضرت حسین رضی اللہ
عنہ جیسے شخص کی جس طرح سے مخالفت اور
نافرمانی کی وہ ان کے طرزِ عمل سے نصیحت پکڑنے

نطمئن الی ھؤلاء القوم و نصدق قولھم و نقبل لھم عھداً! لا و لا نراھم لذلک اھلا اما واللّٰہ لقد قتلوہ، طویلاً باللیل قیامہ کثیراً فی النھار صیامہ احق بما ھم فیہ منھم و اولی بہ فی الدین و الفضل، اما واللّٰہ ما کان یبدل بالقرآن الغناء ولا بالبکاء من خشیۃ اللّٰہ الحداء، ولا بالصیام شرب الحرام، و لا بالمجالس فی حلق الذکر الرکض فی تطلاب الصید یعرض بیزید فسوف یلقون غیاً۔

(تاریخ الطبری ج ۔ ص ۴۷۴، ۴۷۵)

اور ان سے روکنے کے لیے کافی تھا لیکن جو تقدیر میں ہوتا ہے پورا ہو کر رہتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی معاملہ کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو اس کو ہرگز ٹالا نہیں جا سکتا، سو کیا اب حسین کے بعد بھی اس حکمران قوم پر اطمینان کریں ان کے قول کی تصدیق کریں اور ان کے عہد کو قبول کریں نہیں نہیں ہم ان کو اس کا اہل نہیں سمجھتے، خدا کی قسم انھوں نے اس حسین کو قتل کیا جو راتوں کو دیر تک نمازوں میں کھڑے رہتے اور دنوں میں کثرت سے روزے رکھتے تھے اور جو اقتدار ان کو ملا ہے وہ اس کے ان سے زیادہ حقدار اور دین اور فضل کے اعتبار سے زیادہ مستحق تھے، سنو! وہ تلاوت قرآن کی بجائے گانے بجانے اور خوف الٰہی سے رونے کی بجائے لغو اور سرود کا شغل نہیں رکھتے تھے، نہ روزوں کی بجائے شراب خواری میں مصروف رہتے تھے، نہ ذکر الٰہی کی مجالس کو چھوڑ کر شکار کی جستجو میں گھوڑے کو ایڑ لگایا کرتے تھے، یہ سب باتیں یزید پر طنز تھیں، سو یہ لوگ عنقریب (آخرت میں) خرابی دیکھیں گے۔"

اس تقریر کو پھر پڑھیے، یہ یزید اور اس کی کوفی فوج کا بیان ہو رہا ہے، یا حضرت

حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھی "شہداء کربلا" کا، یہ شغل مے نوشی، یہ سیر و شکار کی معروفیت، یہ نغمہ وسرود کے مشغلے کس کے کردار پر طنز ہیں؟ کیا یزید کے کردار پر نہیں؟ جس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کی خبر سن کر عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر بنایا اور پھر ابن زیاد نے کوفیوں کو ترغیب و ترہیب سے حضرت ممدوح سے غداری پر آمادہ کیا اور عمر بن سعد کو سالارِ لشکر بنا کر آپ کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ اسی حکومت اور اس کے کارندوں کے بارے میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ اعلان فرما رہے ہیں کہ ان لوگوں پر ہم کیونکر اطمینان کریں اور ان کی باتوں کو ہم کس طرح سچ جانیں اور ان کے عہد و پیمان پر کس طرح اعتماد ہو کہ انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی شخصیت کو قتل کیا یا یزید جیسے بدکردار کے تابع فرمان ہیں، کیا اس تقریر میں قتل حسین کی ذمہ داری یزید پر نہیں ڈالی گئی؟ مگر "داستان گو" صاحب داستان سرائی میں مصروف اور افسانہ نویسی میں گم ہیں۔

یزید کی براءت کے سلسلہ میں داستان سرائی

(۶) حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سانحہ

شہادت پر یزید اور یزیدی حکومت کے خلاف آپ کے یوم شہادت سے لے کر آج تک جو احتجاج ہوا اس سے پوری اسلامی دنیا کا بچہ بچہ واقف ہے مگر "داستان گو" صاحب ابھی تک اس سے انجان بنے یہی تحریر فرماتے ہیں

> "اس وقت کی پوری اسلامی دنیا نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا، چنانچہ جن لوگوں اور گروہوں نے اس زمانہ میں کسی وجہ سے خلافت کے خلاف بغاوت کی، ان میں سے کسی نے بھی خلیفہ یا اس کے عمال پر حضرت حسینؓ کے قتل کی ذمہ داری عائد نہیں کی" (داستان کربلا ص ۲۵)

حالانکہ خود بدولت ہی اپنے پہلے کتابچہ "حضرت عثمان کی شہادت کیوں اور کیسے؟"

میں یہ تحریر فرما چکے ہیں کہ

"حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی دینی، سیاسی اور تاریخی عظمت بجا اور ان کے عظیم ترین کارنامے وفتوحات تسلیم، لیکن حضرت عثمانؓ نے خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کی شہادت کے جس سازشانہ پس منظر میں خلافت کا عہدہ سنبھالا تھا اور اندرونی طور پر حضرت عمرؓ کے صاحبزادہ حضرت عبیداللہ کے قتل کرنے کے اندرونی دباؤ اور مطالبہ سے دوچار ہونا پڑا تھا جس کے نہ ماننے سے امت مسلمہ فوراً دو ٹکڑوں میں بٹ کر مستقل باہمی تصادم میں مبتلا ہو سکتی تھی، جیسا کہ واقعہ قتل حسین کے بعد ہو گئی۔" (ص: ۳۰)

تعجب ہے کہ یہ مان لینے کے بعد بھی کہ

"واقعۂ قتل حسین کے بعد امت مسلمہ فوراً دو ٹکڑوں میں بٹ کر مستقل باہمی تصادم میں مبتلا ہو گئی"

داستانِ کربلا لکھنے بیٹھے تو سب کچھ فراموش کر کے بالکل انجان بن گئے سچ ہے

دروغ گو را حافظہ نباشد

اسے ذرا کمال صاحب اپنے حافظہ پر زور ڈال کر سوچیں کہ امت یزید اور اس کے بداعمال عمال حکومت کے خلاف ہو گئی ہے یا ان ساٹھ کوفی "شہدائے کربلا" کے کہ جو حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی رفاقت میں درجۂ شہادت پر فائز ہو کر داخل جنت ہوئے

خاندانِ حسینی کے وظائف مقرر کرنے کا افسانہ

(ے) اور "داستان گو" صاحب نے جو یہ بات بڑے مزے لے لے کر بیان کی ہے کہ

"خلیفہ یزید نے اپنے والد حضرت معاویہؓ کے طریقے کے مطابق حضرت حسین کے صاحبزادے علی المعروف زین العابدین اور دوسرے افراد

خاندان کے بیش بہا وظیفے مقرر کر دیئے اور یہ حضرات نہایت اطمینان و آرام کے ساتھ کئی پشتوں تک ان وظائف پر زندگی بسر کرتے رہے"

("داستان کربلا" ص ۱۲)

اگر یہ بات صحیح ہے تو "داستان گو" صاحب ذرا بتائیں کہ بیش بہا وظیفے یزید نے اپنی ذاتی اور خاندانی جاگیر سے مقرر کیئے تھے یا حکومت کے بیت المال سے۔ اگر بیت المال سے مقرر کیے تھے تو حضرت زین العابدین اور دوسرے افرادِ خاندان ان بیش بہا وظیفوں کے مستحق بھی تھے یا نہیں، اگر مستحق تھے تو پہلے سے کیوں مقرر نہیں کیے اور اگر غیر مستحق تھے تو یزید کو مسلمانوں کے بیت المال میں بے جا تصرف کرنے کا کیا حق حاصل تھا جو اس نے اپنی طرف سے ان کے بیش بہا وظیفے مقرر کر دیے اور یہ حضرات کئی پشتوں تک ان وظائف پر زندگی بسر کرتے رہے۔

یزید کی جانشینی کی نرالی توجیہ (۸) "داستان گو" صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت کے بارے میں یہ داستان گھڑھنے کے بعد اس کے پسِ منظر میں واقعات کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ

"حضرت معاویہؓ نے یہ محسوس کر کے کہ ان کے بعد خلافت کے سوال پر مسلمانوں کے درمیان پھر کوئی تنازع نہ اٹھ کھڑا ہو اپنی وفات سے پیشتر مسلمانوں اور اہلِ مدینہ سے مشورہ و استصواب رائے کر کے اپنے بیٹے یزید کے لیے جانشینی کی بیعتِ عام لے لی۔

چونکہ مملکت اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ بلکہ غالب اکثریت والا حصہ بلادِ عجم پر مشتمل تھا اور اہلِ عجم اسی حکمران کی اطاعت کرتے تھے جو حکمران کے خاندان کا ہو اس کا بیٹا ہو یا اس کے خاندان کا کوئی فرد ہو بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق کے دعویٰ نے

نئے خلیفہ کے شورۂ عام سے منتخب ہونے کے امکانات معدوم کر دئے تھے اور منصب خلافت کو ایک نزاعی امر بنا دیا تھا، اس لیے حضرت معاویہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی جانشینی کے مسئلہ کو طے کر دینا مناسب خیال فرمایا اور اس وقت زندہ تمام اصحاب رسول و ازواج رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مشورہ اور پوری مملکت کے عوام سے استصواب کر کے امیر یزید کی ولی عہدی کی بیعت عام لے لی۔

اس دوران کوفہ میں رہنے والے قاتلانِ عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسینؓ سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت حسن فوت ہو چکے تھے اور یہ لوگ آکر حضرت حسین کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہے حضرت معاویہؓ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حسین کو خط لکھ کر اس صورتِ حال پر متنبہ کیا تو حضرت حسین نے جواب میں لکھا کہ

"میں نہ آپ سے لڑنا چاہتا ہوں اور نہ آپ کی مخالفت کے درپے ہوں" (اخبار الطوال)

سنہ ۶۰ھ میں حضرت معاویہ کی وفات ہو گئی، آپ کے بعد امیر یزید جانشین ہوئے اور خلافت کی بیعت شروع ہوئی، مدینہ میں جب بیعت لینا شروع ہوا اور حضرت حسین کو بلایا گیا تو آپ نے مدینہ کے گورنر سے کہا کہ

"مجمع عام میں بیعت کی جائے، وہیں میں بھی بیعت کروں گا"

(طبری۔ اخبار الطوال)

لیکن دوسرے دن آپ مکہ کے لیے روانہ ہو گئے، آپ کے ہمراہ آپ کی ہمشیرگان امّ کلثوم، زینب، آپ کے برادران ابوبکر، جعفر اور عباس اور آپ کے برادر زادگان یعنی فرزندانِ حضرت حسن بھی تھے، البتہ آپ کے

ایک بھائی محمد بن حنفیہ اور بہت سے اہل خاندان ساتھ نہیں گئے، مدینہ کے گورنر اور حکام نے کوئی تعرض نہیں کیا اور حضرت حسین کو ان کے اہل خانہ کے ساتھ مکہ چلے جانے دیا، راستہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے پوچھا کہاں جارہے ہو۔ جواب دیا مکہ جارہا ہوں، حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا کہیں کوفہ کے شیعان علی کے پاس تو نہیں جارہے ہو؟ ان لوگوں نے آپ کے والد اور آپ کے بھائی کے ساتھ جو سلوک کیا اُسے یاد رکھیے اور ان کے فریب میں نہ آجیے گا۔ (اخبار الطوال)

کوفہ کے شیعان علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حسین، یزید کی بیعت کیے بغیر مدینہ سے مکہ آگئے ہیں تو انہوں نے سلیمان بن صرد کے گھر جمع ہو کر مشورہ کیا اور عبداللہ بن سبیع ہمدانی اور عبداللہ بن وداک سلمی کے ہاتھ اس مضمون کا خط حضرت حسین کو بھیجا کہ

" آپ کوفہ آئیں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور یہاں کے حاکم نعمان بن بشیر کو جو انصاری ہے نکال دیں گے "

حضرت حسین کے پاس صبح یہ دونوں قاصد پہنچے اور شام کو مزید دو قاصد پچاس پچاس خطوط جن پر دو دو چار چار اشخاص کے دستخط تھے لے کر پہنچ گئے مضمون ایک ہی تھا کہ کوفہ تشریف لائیے اور بیعت لیجیے، غرضیکہ ہر روز صبح و شام کوفہ سے آنے والے قاصدوں کا تانتا بندھ گیا، حضرت حسین نے ان تمام خطوط کو بحفاظت رکھا اور اپنے بھائی مسلم بن عقیل کے ذریعہ ایک خط اہل کوفہ کے نام جواب میں بھیجا کہ ان آمدہ خطوط کی تصدیق ہوجائے۔ (اخبار الطوال)

بعد کے واقعات اور انجام آپ شروع میں پڑھ چکے ہیں داستانِ کربلا صفحہ ۲۴)

"داستان گو" صاحب کو ایک ہی سانس میں متضاد باتیں کرنے میں ذرا باک نہیں چنانچہ جہاں وہ یہ فرما رہے ہیں کہ

"بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق کے دعوی نے نئے خلیفہ کے مشورۂ عام سے منتخب ہونے کے امکانات معدوم کر دیئے تھے اور منصب خلافت کو ایک نزاعی امر بنا دیا تھا (ص ۲۱)

اسی کے ساتھ بلا توقف یہ بھی ارشاد ہو رہا ہے کہ

"اس لیے حضرت معاویہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی جانشینی کے مسئلہ کو طے کر دینا مناسب خیال فرمایا اور اس وقت زندہ تمام اصحاب رسول و ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ اور پوری مملکت کے عوام سے استصواب کر کے امیر یزید کی ولی عہدی کی بیعت عام لے لی" (ص ۲۱)

نیز یہ کہ "حضرت معاویہ نے یہ محسوس کر کے کہ ان کے بعد خلافت کے سوال پر لوگوں کے درمیان پھر کوئی نزاع نہ اٹھ کھڑا ہو اپنی وفات سے پیشتر مسلمانوں اور اہل مدینہ سے مشورہ و استصواب رائے کر کے اپنے بیٹے یزید کیلئے جانشینی کی بیعت عام لے لی" (ص ۲۰ و ۲۱)

ناظرین! جائے غور ہے جب بقول ان کے "نئے خلیفہ کے مشورہ عام سے منتخب ہونے کے امکانات ہی معدوم تھے" تو یہ "ان ہونی" کیسے ہوئی اور یزید کے بارے میں استصواب عام کیوں کر ممکن ہوا؟ ایسی صورت میں اصحاب رسولؐ ازواج رسولؐ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور پوری مملکت کے عوام سے استصواب کی آخر کیا صورت ہوئی؟ اور اگر استصواب عام ممکن تھا جیسا کہ بقول "داستان گو" کے یزید کی ولیعہدی کے سلسلہ میں ہوا بلکہ یزید کے مرجانے پر بھی اس کے بیٹے معاویہ نے خلافت کا مسئلہ استصواب ہی پر رکھا، چنانچہ خود "داستان گو" کا بیان ہے کہ

"خلیفہ یزید کے بعد ان کے صاجزادہ معاویہ کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت
کرنا چاہی، معاویہ نے مجلس شوری سے کہا کہ وہ خود کو اس منصب کے لئے اہل
نہیں پاتے، اس لیے مسلمان باہم مشورہ سے کوئی بہتر شخص منتخب کرلیں

(ص ۲۶)

تو پھر یزید کی ولی عہدی کی بیعت لینے کی بجائے اگر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی وفات پر بھی یہی طریق کار اپنایا جاتا تو آخر اس میں کیا قباحت تھی کہ امت مشورۂ عام سے جس شخص کو چاہتی خلافت کے لیے منتخب کرلیتی آپ خود ہی سوچیں کہ معاویہ ثانی رحمہ اللہ تعالے کا یہ طرز عمل لائق ستائش ہے یا یزید کی بے وقت کی ولیعہدی کی بیعت جس کی توجیہ میں "داستان گو" صاحب سرگرداں ہیں مگر کوئی بات بنائے نہیں بنتی

(۹) چنانچہ کتاب وسنت سے یزید کی ولیعہدی کا کوئی معقول جواز پیش کرنے کی بجائے "داستان گو" صاحب اس سلسلہ میں اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے کہ

"چونکہ مملکت اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ بلکہ غالب اکثریت والا حصہ اب بلاد عجم پر مشتمل تھا اور اہل عجم اسی حکمران کی اطاعت کرتے تھے جو حکمران کے خاندان کا ہو اس کا بیٹا ہو یا اس کے خاندان کا فرد ہو...... اسلئے حضرت معاویہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی جانشینی کے مسئلہ کو طے کر دینا مناسب خیال فرمایا"

(ص ۲۱)

واقعی یزید کی ولی عہدی کی جناب نے بہت ہی عمدہ وجہ بیان کی

ع بلبل پھڑک اٹھی نگہ انتخاب کی۔

جناب کی تصریح سے واضح ہوگیا کہ "اہل عجم" کی اطاعت کی خاطر یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ کھڑا ہوا اور اس بارے میں "اہل عجم" کا اتنا پاس و لحاظ کیا گیا کہ امور سلطنت میں بھی بالکل انہی کا طریقہ اپنا لیا گیا۔

تعجب ہے کہ آپ کے ممدوح یزید کی ولی عہدی کے بارے میں تو اہلِ عجم کا اتنا خیال رکھا جائے، مگر "مجلس حضرت عثمان غنیؓ" ان ہی "اہلِ عجم" کے اتنے خلاف ہو کر ان کے کفر و زندقہ و نفاق کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے اس کا قیام عمل میں آئے چنانچہ "داستانِ کربلا" کے آخر میں مجلس کے تعارف اور پروگرام کے سلسلہ میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ یہ ہے کہ

"چونکہ اولین اہلِ قلم عموماً انہیں عجمی اقوام میں سے ہوئے ہیں جن کی شوکت وحکومت اور چودھراہٹ مخالفت اسلام کے سبب ان ہی مقدس صحابہ کرام کے ایمان عزم و ہمت اور فداری ہاتھوں پیوند خاک ہوئیں بنا بریں انھوں نے اپنے کفر و زندقہ اور جذبۂ انتقام کو نفاق کی خوشنما چادر میں چھپا کر صدر اول کی تاریخ کو اس طرح مسخ کیا کہ ان اکابر صحابہ اور محسنین امت کے حسین کردار اور حقیقی خدوخال پر مفتریات و مکذوبات کی گہری تہیں بیٹھ گئیں، جنہیں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا حاصل زندگی منظورِ نظر اور اسلام کی ریڑھ کی ہڈی کہنا چاہیئے" الخ (ص ۲۱۰، ۲۱۱)

اب خود ہی سوچ لیجئے کہ کیا انہی اولین اہلِ عجم کی خوشنودی کے لیے "یزید" کی ولی عہدی کی بیعت لی گئی تھی؟ اور کیا ان ہی کی اطاعت کی خاطر ان کے رسم و رواج کو اپنایا گیا تھا، خوب جناب نے یزید کی ولی عہدی کی تحقیق کا حق ادا کیا —

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

(۱۰) یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ پہلے "داستان گو" صاحب اس بات پر مُصر کر چکے ہیں کہ

"حضرت علی کی وفات اور تدفین کے بعد لوگ حضرت حسن کے پاس مسجد میں جمع ہو گئے اور ان کی بیعت کی" (داستانِ کربلا ص ۱۴)

چنانچہ ان کے الفاظ ہیں کہ

"حضرت علیؓ کے بعد ان شیعان نے حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن کو ان کا جانشین خلیفہ بنا کر باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی کی رسم قائم کی" (داستانِ کربلا ص ۱۵)

غور فرمایئے! یزید کی ولی عہدی کے لیئے تو توجیہیں گڑھی جاتی ہیں اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولی عہدی پر طنز کیا جاتا ہے، حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے اگر حضرات صحابہ و تابعین برضا و رغبت بیعت کرلیں اور تمام اہل السنت والجماعت بلا اختلاف ان کو خلیفہ راشد مان لیں، تو یہ بات قابل نکیر ہے کہ باپ کے بعد "بیٹے کی ولیعہدی کی رسم" قائم ہوتی ہے، لیکن اگر یزید کو اپنے باپ کی ہی زندگی میں ولیعہد بنا دیا جائے تو لائق تحسین ہے، قرین مصلحت ہے، کیونکہ "مجلس عثمان غنیؓ" کے شیعان اموی کی نظر میں ایسی صورت میں باپ کے بعد "بیٹے کی ولیعہدی کی رسم" یا تو سرے سے وقوع پذیر ہی نہیں ہوتی یا پھر عین صواب ہے پھر یہ کہنا بھی غلط کہ " ولی عہدی کی رسم قائم کی"

ولیعہد اور خلیفہ میں جو فرق ہے سب کو معلوم ہے "داستان گو" صاحب کو علم نہ ہو تو اور بات ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی وفات پر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی کا "ولیعہد" نہیں بنایا گیا تھا بلکہ حضرت ممدوح سے حاضرین نے بیعت خلافت کی تھی اور باتفاق اہل سنت و جماعت جب تک کہ آپ نے عہدہ حکومت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تفویض نہیں کیا آپ کا شمار خلفاء راشدین میں ہے آپ کا زمانہ ولیعہدی تو اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب سے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے زمام حکومت سونپی اور اس وقت آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ولی عہد نہیں بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ولی عہد تھے، یزید کی ولیعہدی کا مسئلہ حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی وفات کے بعد اٹھا ہے، اب ہم پوچھنا چاہتے

ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی وفات اور یزید کی ولیعہدی کی بیعت کے دوران جتنا عرصہ گزرا اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ حکومت میں آخر بلادِ عجم میں وہ کونسی فتوحات ہوئیں جن کی بنا پر مملکتِ اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ بلکہ غالب اکثریت والا حصہ اب بلادِ عجم پر مشتمل ہو گیا" ؟ جو اس سے پہلے نہ تھا۔ نیز اگر یہ بات صحیح ہے کہ "اہلِ عجم اسی حکمران کی اطاعت کرتے تھے جو حکمران کے خاندان کا ہو، اس کا بیٹا ہو یا اس کے خاندان کا فرد ہو" تو اس میں یزید بن معاویہ ہی کی کیا خصوصیت تھی؟ کیا خلفاء راشدین حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی اولاد امجاد حکمرانوں کی اولاد نہ تھی؟ کیا تاریخِ اسلام میں بس پہلے حکمران حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہی ہوئے ہیں؟ مزید یہ کہ "داستان گو" صاحب تو یزید کے بعد مروان ہی کو خلیفہ مانتے ہیں کیا مروان کے والد بزرگوار حکم بھی کبھی کسی زمانہ میں عالمِ اسلام کے حکمران رہے تھے؟ عوام کو اس طرح گمراہ کرنے سے فائدہ!

بنی ہاشم پر افتراء

(۱۱) اور جناب نے بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف جو خلافت کے استحقاق کے ادعاء کا دعویٰ منسوب کیا ہے، اس کا تاریخی ثبوت کیا ہے؟ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمرانی سے پہلے بنی ہاشم میں دو خلیفہ ہوئے ہیں، ایک حضرت علی دوسرے ان کے صاحبزادے حضرت حسن (رضی اللہ تعالےٰ عنہما) اور دونوں کا انتخاب خلافت کے لیے اربابِ حل وعقد نے کیا تھا، ان میں سے خود کسی نے بھی استحقاقِ خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اور دونوں اہلِ سنت کے نزدیک خلیفہ راشد ہیں، ان دونوں کے علاوہ یزید کی ولیعہدی کے زمانہ تک بنو ہاشم میں سے کسی نے بھی استحقاقِ خلافت کا دعویٰ کیا ہو تو ذرا اس کا نام تو بتا دیجیے! خلفاء راشدین کے بارے میں غلط بیانی سے کوئی فائدہ اٹھایا گیا ہو یعنی یہاں بھی لیا جائے کہ "بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق

کا دعویٰ کیا گیا " تو اس سے کونسی قیامت ٹوٹ پڑی، خلافت کا حق قریش کے لیے نص سے ثابت ہے کیا بنی ہاشم جو خاندانِ نبوت سے تعلق رکھتے ہیں قریش سے خارج ہیں کیا خلافت قریش کے تمام خاندانوں میں صرف بنی امیہ ہی کے لیے الاٹ کر دی گئی تھی، اور بنی امیہ میں بھی صرف بنو حرب کے لیے جو یزید کی ولی عہدی ضروری ٹھہری؟ ویسے بھی بنو ہاشم کے بارے میں تو جناب کی معلومات قابلِ داد ہیں کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی " شہادت عثمان غنی کیوں اور کیسے " میں بنو ہاشم بنی ہاشم میں شمار کیا ہے (ص ۲۳) حالانکہ وہ قطعاً ہاشمی نہیں۔ بلکہ قریشی اسدی ہیں ہاں یہ صحیح ہے کہ روافض خلافت کو بنی فاطمہ کا حق سمجھتے ہیں اور ان کے مقابل بعض نواصب بنی امیہ کا، چنانچہ علامہ ابن حزم نے " الفصل " میں لکھا ہے کہ ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ اردن میں ایک شخص نے جو اس امر کا قائل تھا کہ منصب خلافت پر فائز ہونا امیہ کے علاوہ اور کسی کے لیے روا نہیں اس موضوع پر ایک مستقل تالیف بھی مدون کی ہے (ج ۴ ص ۹۰)

حضرت حسین کے بارے میں افسانہ تراشی

|(۱۴) اور " داستان گو " نے جو یہ لکھا ہے کہ

" اس دوران کوفہ میں رہنے والے قاتلان عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسین سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت حسن فوت ہو چکے تھے اور یہ لوگ آ آ کر حضرت حسین کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہے، حضرت معاویہ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حسین کو خط لکھ کر اس صورت حال پر متنبہ کیا تو حضرت حسین نے جواب میں لکھا کہ میں نہ آپ سے لڑنا چاہتا ہوں اور نہ آپ کی مخالفت کے درپے ہوں "

(اخبار الطوال) (داستانِ کربلا ص ۲۱ تا ۲۲)

سو حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بارے میں تو ان کو یہ افسانہ تراشنا ہی چاہیے کہ قاتلانِ عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسین سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا کیونکہ وہ نہ صرف حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ بلکہ ان کے برادر بزرگوار حضرت حسن اور ان دونوں کے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے قتل میں ملوث کرنا چاہتے ہیں، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ خود یہ لکھ رہے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ :-

"حضرت حسن فوت ہو چکے تھے" اور ان کی وفات سنہ ۴۹ھ یا سنہ ۵۰ھ میں ہوئی ہے اور اسی "داستانِ کربلا" میں ان کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ :

"امر خلافت جو حضرت عثمان کی شہادت کے بعد سنہ ۳۵ھ کے آخر سے معطل[1] ہو گیا تھا اور مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے تھے، حضرت حسن کے اس اقدام سے (کہ انھوں نے حضرت معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی) سنہ ۴۱ھ کے شروع میں ۵ سال بعد پھر بحال ہو گیا اور امت ایک ہی خلیفہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی سربراہی میں متحد ہو گئی" (ص ۱۹)

غرض سنہ ۴۱ھ سے لے کر سنہ ۴۹ھ یا سنہ ۵۰ھ تک پورے نو، دس برس حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ تمام قلمرو اسلامی کے بلا شرکت غیرے مطلق فرمانروا تھے اور اس لیے "داستان گو" ہی کے قول کے مطابق اس وقت

---

[1] کیونکہ شیعان مروان "مجلس عثمان غنی" نہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں نہ حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد سے ان کے عقیدہ کے مطابق امر خلافت معطل رہا۔

"حضرت معاویہ قاتلین عثمان ...... اور فتنہ بازوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر کیفر کردار تک پہنچانے لگے"
(ص ۲۰)

پھر یہ "قاتلین عثمان" حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گرفت سے کیونکر بچ گئے شاید وہ یہ جواب دیں کہ

"حضرت معاویہ کے ڈر سے قاتلوں کے بہت سے ساتھی روپوش ہوگئے"
("داستان کربلا" ص ۲۰)

تو پھر بھی یہ سوال اپنی جگہ باقی رہے گا کہ خود ان کے ہی لکھنے کے مطابق "کوفہ میں رہنے والے "قاتلان عثمان" کے گروہ کے افراد نے حضرت حسین سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت معاویہ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حسین کو خط لکھ کر اس صورتحال پر متنبہ کیا الخ"

آخر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس معاملہ میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو کیوں متنبہ کیا؟ جب ان کو ان باتوں کا پتہ چل گیا تھا تو پھر ان "قاتلانِ عثمان" کو کیوں کیفر کردار تک نہ پہنچایا کہ نہ رہے بانس نہ بجے بنسری۔ "داستان گو" صاحب جھوٹ سے بات کیسی کرتی ہے اور معاملہ اور الجھ جاتا ہے!

غلط حوالہ دینے کی تو "داستان گو" صاحب سے شکایت ہی کیا، وہ تو ان کی پرانی عادت ہی ہے طبری کے حوالوں کی تنقیح ناظرین کی نظر سے گذر چکی ہے کہ "داستان گو" صاحب نے کس طرح سچ میں جھوٹ ملا کر صورت واقعہ کو مسخ کیا ہے۔ یہاں بھی وہی کارروائی فرمائی اور ان اشرافِ کوفہ پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور جلیل القدر صحابی حضرت حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو حجر بن الادبر، حجر الخیر کے نام سے معروف ہیں) کے قتل کیے جانے کی خبر لے کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تھے، "قاتلانِ عثمان" کی تہمت لگادی ہے۔ حضرت حجر بن عدی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ان اشراف کوفہ کا قتلِ عثمان سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں، یہ سب "داستان گو" صاحب کی بنائی ہوئی بات ہے، اہلِ علم "الاخبار الطوال" سے جس کا "داستان گو" صاحب نے حوالہ دیا ہے مراجعت کر کے دیکھ سکتے ہیں۔

حضرت حسینؓ کو مطعون کرنا

(۱۴) اور بیعتِ یزید کے سلسلہ میں جو "داستان گو" صاحب کا یہ بیان ہے کہ

"۶۰ھ میں حضرت معاویہؓ کی وفات ہو گئی، آپکے بعد امیر یزید جانشین ہوئے اور خلافت کی بیعت شروع ہوئی، مدینہ میں جب بیعت لینا شروع ہوا اور حضرت حسینؓ کو بلایا گیا تو آپ نے مدینہ کے گورنر سے کہا کہ مجمع عام میں بیعت لی جائے میں بھی وہیں بیعت کر لوں گا۔" (طبری ۔ اخبار الطوال)

"لیکن دوسرے دن آپ مکہ کے لیے روانہ ہو گئے۔" (ص ۲۲)

اس کا مقصد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غلط گوئی اور وعدہ خلافی سے متہم کرنا ہے۔ "تاریخ طبری" اور "الاخبار الطوال" میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گورنر مدینہ سے یہ کہا ہو کہ "میں بیعت کر لوں گا" یہ بات "داستان گو" صاحب نے اپنے جی سے بنائی ہے، واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب یزید تختِ حکومت پر بیٹھا، تو اس کو سب سے پہلے اس بات کی فکر تھی کہ ان لوگوں سے کس طرح نمٹا جائے، جنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی ہی میں یزید کی ولیعہدی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، چنانچہ فوراً ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے نام جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا، ایک چھوٹے سے پرچہ پر جو بقول مورخ طبری "چوہے کے کان" کے برابر تھا (کانہا اذن فارۃ) یہ فرمان لکھ کر بھیجا

اما بعد فخذ حسیناً و عبد اللہ	اما بعد بیعت کے سلسلہ میں، حسین، عبد اللہ
بن عمر و عبد اللہ بن الزبیر بالبیعۃ	بن عمر اور عبد اللہ بن زبیر کو پوری سختی کے
اخذاً شدیداً لیست فیہ رخصۃ	ساتھ پکڑو اور جب تک یہ لوگ بیعت نہ کر لیں

حتی یبایعوا والسلام۔
(تاریخ الطبری ص۳۳۸ ج۵)

انھیں رخصت نہ ملنے پائے والسلام۔

ولید کو یزید کا یہ حکم ملا تو وہ فتنہ کے خوف سے گھبرا گیا۱، مروان اور ولید میں ان بن تھی، لیکن معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر اس نے مروان کو مشورہ کے لیے طلب کیا اس شقی۲ نے آتے ہی جو مشورہ دیا وہ سننے کے قابل ہے۔

علیك بالحسین بن علی وعبد اللّٰہ بن الزبیر فابعث الیھما الساعة فان بایعا والا فاضرب اعناقھما قبل ان یعلن الخبر
(الاخبار الطوال ۲۲۷)

تم پر لازم ہے کہ اسی وقت حسین بن علی اور عبد اللہ بن زبیر کو بلوا لو اگر وہ دونوں بیعت کرلیں تو خیر ورنہ دونوں کی گردنیں اڑا دو، یہ کام معاویہ کی خبر مرگ کے اعلان سے پہلے پہلے ہو جانا چاہیے۔

ولید نے مروان کے مشورہ کے مطابق عبد اللہ بن عمرو بن عثمان کو ان دونوں حضرات کو بلانے کے لیے بھیج دیا، جو اس وقت مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، ولید کا پیام پہنچا تو ان حضرات نے عبد اللہ سے فرمایا تم چلو ہم آتے ہیں، وہ چلا گیا تو حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ" اس بے وقت کی طلبی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟" حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ

---

۱ ابو حنیفہ دینوری کے الفاظ ہیں فلما ورد ذلك علی الولید فظع به وخاف الفتنة (الاخبار الطوال ص ۲۲۷) جب ولید کے پاس یہ حکم پہنچا تو وہ گھبرا گیا اور اسے فتنہ کا اندیشہ ہوا۔

۲ یہ بھی واضح رہے کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ جمل میں مروان کی جان بخشی کی تھی۔ اس نا سپاس نے اس کا یہ بدلہ دیا۔

"میرا گمان ہے کہ معاویہ کا انتقال ہو گیا اس لیے بیعت کے لیے ہمیں بلا بھیجا ہے" ابن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے یہ سن کر کہا" میں بھی یہی سمجھتا ہوں" اس گفتگو کے بعد دونوں حضرات اپنے گھروں کو لوٹ آئے ۔ گھر پہنچ کر حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے غلاموں اور موالی کو جمع کر کے" دارالامارۃ "کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر ان کو ہدایت کی کہ دروازہ پر ٹھہرے رہو اور اگر اندر سے میری آواز سنو تو" دارالامارۃ" میں گھس جانا یہ فرما کر حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ اندر تشریف لائے، ولید نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی موت کی خبر سنا کر یزید کا فرمان دکھایا اور اس کی بیعت کے لیے کہا، اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے تعزیت کے بعد فرمایا کہ

أما ما سألتني من البيعة فان مثلي لا يعطي بيعته سراً ولا اراك تجتزي بها مني سراً دون ان تظهرها على رؤس الناس علانية.	بیعت کے بارے میں جو تم نے مجھ سے کہا ہے تو مجھ جیسا آدمی خفیہ بیعت نہیں کیا کرتا اور میں سمجھتا ہوں کہ تم بھی میری خفیہ بیعت کافی نہیں سمجھتے جب تک کہ تم برملا لوگوں کے سامنے اس کا اظہار نہ کرو۔

ولید نے کہا (جی ہاں ہاں)۔ اس پر آپ نے اس سے فرمایا۔

فاذا خرجت الى الناس ودعوتهم الى البيعة دعوتنا مع الناس فكان امراً واحداً (تاریخ الطبری ج ۵ ص ۳۳۹، ۳۴۰)	جب تم لوگوں کے سامنے نکل کر ان کو بیعت کی دعوت دو تو ہمیں بھی سب کے ساتھ ہی بلا لینا، تاکہ معاملہ یکساں رہے۔

اس عبارت میں کوئی لفظ ایسا نہیں کہ جس کا ترجمہ یہ ہو کہ" میں بیعت کر لوں گا" بلکہ آپ معاملہ کو لوگوں کے اجتماع پر ٹالنا چاہتے ہیں، پھر ابھی بیعت لینا شروع نہیں ہوا۔ جیسا کہ" داستان گو" صاحب نے لکھا ہے بلکہ آپ کو بے وقت بلوا کر خفیہ طور پر بیعت لینے کے لیے زور ڈالا جا رہا تھا، جس سے آپ نے حکمت عملی کے ساتھ

پہلو تہی فرمائی، بہرحال حضرت حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ولید کو قائل کیا تو اس نے آپ کو "دار الامارۃ" سے جانے کی اجازت دے دی، اس پر مروان نے پھر ولید سے کہا

واللہ ان فارقک الساعۃ ولم یبایع لا قدرت منہ علیٰ مثلھا ابدًا حتی تکثر القتلی بینکم و بینہٗ احبس الرجل، ولا یخرج من عندک حتّی یبایع او تضرب عنقہٗ۔

خدا کی قسم اگر یہ اس وقت بغیر بیعت کیے تیرے پاس سے چلے گئے تو پھر کبھی بھی تو ان سے بیعت لینے پر اس وقت تک قادر نہ ہو سکے گا جب تک کہ تمہارے اور ان کے مابین کثرت سے لوگ قتل نہ ہو جائیں اس شخص کو قید کر او جب تک کہ یہ بیعت نہ کر لے یا اس کا سر نہ قلم کر دیا جائے، یہ تیرے پاس سے نکلنے نہ پائے۔

(تاریخ الطبری ج ۵ ص ۳۴۰)

حضرت حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جیسے ہی مروان کی زبان سے یہ سنا کود کر اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ فرماتے ہوئے باہر نکل آئے کہ

یا ابن الزرقاء انت تقتلنی ام ھو؟ کذبت و اللہ و اثمت۔

او زرقاء (مروان کی ماں کا لقب) کے بچے تو مجھے قتل کرے گا یا یہ، خدا کی قسم تو جھوٹ بکتا ہے اور گناہ اپنے سر لیتا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس طرح صحیح سلامت نکل جانے پر مروان بڑا برہم ہوا اور ولید سے کہنے لگا۔

عصیتنی، لا و اللہ لا یمکنک من مثلھا من نفسہٖ ابدًا۔

تو نے میری بات نہ مانی، خدا کی قسم اب وہ کبھی تجھ کو اس بارے میں اپنے اوپر قابو نہیں دیں گے۔

ولید نے مروان سے کہا "مروان یہ زجر و توبیخ کسی اور کو کر تو میرے لیے وہ بات پسند کر رہا ہے جس میں میرے دین کی سراسر بربادی ہے

واللہ ما احب ان لی ما طلعت علیہ الشمس و غربت عنہ من مال الدنیا وملکھا، وانی قتلت حسینا، سبحان اللہ! اقتل حسیناً ان قال لا ابایع! واللہ انی لاظن امرأً یحاسب بدم الحسین لخفیف المیزان عند اللہ یوم القیامۃ	خدا کی قسم حسینؓ کے قتل کے عوض اگر مجھ کو مشرق و مغرب میں تمام دنیا کا مال اور اس کی سلطنت بھی ملے تو پسند نہیں، سبحان اللہ! کیا میں حسین کو صرف اس لیے قتل کر ڈالوں کہ وہ کہتے ہیں "میں بیعت نہیں کرتا" بخدا مجھے یقین ہے کہ جس شخص سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور میں حسین کے خون کا حساب لیا جائے گا، میزان میں اس کا پلہ ہلکا ہوگا۔
("تاریخ الطبری ج ۵ ص ۳۴۰)	

اس پر مروان جھلا کر بولا، اچھا تمہاری یہی رائے ہے تو پھر تم نے ٹھیک کیا۔ یہ ہے اس واقعہ کی تفصیل جو "تاریخ طبری" سے نقل کی گئی۔ "الاخبار الطوال" اور "تاریخ طبری" دونوں کا مضمون واحد ہے، فرق ہے تو بس اجمال و تفصیل کا۔ مورخ دینوری نے بیان واقعہ میں اجمال سے کام لیا ہے اور مورخ طبری نے تفصیل سے، مگر "داستان گو" صاحب کو پوری داستان میں بس اتنا ہی یاد ہے جو ان کی قلم سے نکلا اور پھر زیب داستان کے لیے دونوں کتابوں کے حوالے سے واقعہ کا وہ الٹا نقشہ کھینچا ہے جس سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذم کا پہلو عیاں ہو کیونکہ انہیں یزید و مروان سے عقیدت ہے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیر۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت کو "بیعت ضلالت" سمجھتے تھے اس لیے وہ اس سے کیوں بیعت کرتے چنانچہ امام ابن حزم ظاہری "الفصل فی الملل والاہواء والنحل" میں فرماتے ہیں

رأی انها بیعة ضلالة حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے میں
(ج ۲ ص ۱۰۵ طبع ۱۳۲۱ھ) یزید کی بیعت "بیعت ضلالت" تھی۔
اور اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

انما انکر من انکر من الصحابة رضی اللہ عنهم ومن التابعین بیعة یزید بن معاویة والولید وسلیمان لانهم کانوا غیر مرضیین (ج ۲ ص ۱۶۹) صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم میں سے جن حضرات نے بھی یزید بن معاویہ، ولید اور سلیمان کی بیعت سے انکار کیا وہ اس لیے کیا کہ یہ اچھے لوگ نہ تھے۔

"داستان گو" صاحب نے مؤرخ طبری کے حوالے سے جو کچھ نقل کیا ہے اس کی تنقیح کے سلسلے میں یزید کے بُرے کردار پر روشنی ڈالی جا چکی ہے، اس پر دوبارہ نظر ڈال لیجئے معلوم ہو جائے گا کہ حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کے بارے میں کیا اظہار خیال فرمایا ہے،

حافظ ابن حزم اندلسی نے بھی اپنی مشہور کتاب "جمہرۃ انساب العرب" میں یزید کے کردار پر نہایت مختصر مگر جامع تبصرہ کیا ہے، جو ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے درج ذیل ہے فرماتے ہیں۔

و یزید امیر المؤمنین و کان قبیح اور یزید امیر المؤمنین جس کے اسلام میں بُرے

ؒ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں یزید کو اعیان ضلال ہی میں شمار کیا ہے چنانچہ ان کے الفاظ ہیں ودعاۃ الضلال یزید بالشام ومختار بالعراق (ج ۲ ص ۲۱۳) اور کتاب کے آخر میں فرماتے ہیں ومن القرون الفاضلة اتفاقا من هو منافق او فاسق ومنها الحجاج و یزید بن معاویة و مختار (اور قرون فاضلہ میں بھی بالاجماع ایسے افراد ہو گزرے ہیں جو منافق یا فاسق تھے جیسے کہ حجاج، یزید بن معاویہ اور مختار تھے)

الآثار فی الاسلام، قتل اهل المدینة وافاضل الناس وبقیة الصحابة، رضی اللہ عنہم، یوم الحرة فی آخر دولته، وقتل الحسین رضی اللہ عنه واهل بیته فی اول دولته وحاصر ابن الزبیر رضی اللہ عنه فی المسجد الحرام و استخف بحرمة الکعبة والاسلام فاماته اللہ فی تلک الایام، وقد کان غزا فی ایام ابیه القسطنطنیة وحاصرها (ص ۱۱۲ طبع مصر ۱۳۸۲ھ)

کرتوت ہیں، اس نے اپنی سلطنت کے آخری دور میں حرہ کے دن اہلِ مدینہ اور اکثر بہترین اشخاص اور بقیہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو قتل کیا، اور اپنے عہدِ حکومت کے اوائل میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اہلِ بیت کو قتل کیا، اور مسجدِ حرام میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محاصرہ کرکے کعبہ اور اسلام کی بے حرمتی کی، پھر اللہ تعالیٰ نے انہی دنوں اس کو موت کا مزہ چکھایا، اس نے اپنے باپ کے عہد میں قسطنطنیہ کی جنگ میں شرکت کی تھی اور اس کا محاصرہ بھی کیا تھا

واضح رہے کہ "جمہرۃ انساب العرب" "خلافت معاویہ ویزید" میں محمود احمد عباسی کا بڑا اہم ماخذ ہے، عباسی صاحب نے بنو ہاشم و بنو امیہ کی باہمی قرابتوں کو بیان کرتے ہوئے اکثر اسی کتاب کا حوالہ دیا ہے، امام ابن حزم نے صاف تصریح کی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصل قاتل یزید ہے کہ اسی کے حکم پر ان کی شہادت عمل میں آئی اس دور کے ناصبی اب یزید کو خونِ حسین سے بری کرنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہے ہیں اور طرح طرح کی افترا پردازی میں مشغول ہیں۔

کتاب کا غلط حوالہ

(۱۴) اور "داستان گو" صاحب نے "الاخبار الطوال" کے حوالے سے جو یہ ارقام فرمایا ہے کہ

"راستے میں حضرت عبداللہ بن عباس نے پوچھا کہاں جا رہے ہو تو جواب دیا کوفہ جا رہا ہوں، حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا کہ کہیں کوفہ کے شیعان

علی کے پاس تو نہیں جا رہے ہو؟ ان لوگوں نے آپ کے والد اور آپ کے بھائی کے ساتھ جو سلوک کیا اسے یاد رکھیے اور ان کے فریب میں نہ آئیے گا

(اخبار الطوال) (داستانِ کربلا ص ۲۳)

وہ "الاخبار الطوال" میں کہاں ہے تصحیح نقل کرنا چاہیے۔ ہمارے پیش نظر "الاخبار الطوال" کا جدید طبع شدہ نسخہ ہے جو ۱۹۶۰ء میں قاہرہ سے شائع ہوا اور عبد المنعم عامر نے متعدد قدیم نسخوں سے مقابلہ کر کے اس کی تصحیح کی ہے اگر "داستان گو" صاحب کو اپنے دعویٰ کی صحت پر اب بھی اصرار ہو تو اصل عربی عبارت پیش کی جائے۔

(۱۵) صحابیٔ رسولؐ حضرت سلیمان بن صُردؓ پر طعن

اور یہ جو "داستان گو" صاحب نے "الاخبار الطوال" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

"کوفہ کے شیعانِ علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حسین، یزید کی بیعت کئے بغیر مدینہ سے مکہ آ گئے ہیں، تو انھوں نے سلیمان بن صرد کے گھر جمع ہو کر مشورہ کیا اور عبداللہ بن سبیع ہمدانی اور عبداللہ بن وداک سلمی کے ہاتھ اس مضمون کا خط حضرت حسینؓ کو بھیجا کہ

"آپ کوفہ آئیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور یہاں کے حاکم نعمان بن بشیر کو جو انصاری ہیں نکال دیں گے"

الخ ("داستانِ کربلا" ص ۲۳)

تو واضح رہے کہ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں حافظ ابن کثیر "البدایہ والنہایہ" میں لکھتے ہیں۔

وقد کان سلیمان بن صرد الخزاعی[1] حضرت سلیمان بن صرد خزاعیؓ رضی اللہ عنہ

---

[1] مطبوعہ نسخہ میں طباعت کی غلطی سے "الخزاعیؓ" کی بجائے "الخزرجی" چھپ گیا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

صحابیاً جلیلاً نبیلاً عابداً زاھداً، روی عن النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم احادیث فی الصحیحین وغیرھما وشھد مع علی الصفین۔
(ج - ۸
ص ۲۵۵)

جلیل القدر صاحب فضل وکمال عابد زاہد صحابی تھے، انھوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے حدیثیں روایت کی ہیں جو صحیحین وغیرہ میں منقول ہیں، صفین کی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ موجود تھے۔

ابن زیاد نے کوفہ میں آکر جس طرح دارگیر شروع کر رکھی تھی اور خوف ودہشت کا سماں پیدا کر کے ہر طرف سے جو ناکہ بندی کردی تھی اس میں صحیح واقعات کی تفصیل کا بھی بروقت علم ہوسکا جو بروقت موقع پہ پہنچ کر حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مدد کو آتے اور نہ اس امر کا پہلے سے اندازہ تھا کہ یہ اشقیاء حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو راہ ہی میں روک کر اس بیدردی سے شہید کر ڈالیں گے، جیسے کہ خود اہل مدینہ کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اس طرح اچانک شہید کر دیئے جانے کا خیال بھی نہ تھا، بہرحال کوفہ میں ایسے بہت سے مخلصین تھے جو دل سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہواخواہ تھے، مگر انھیں بروقت آپ کی مدد کو پہنچنے کا موقع نہ مل سکا۔

انہی لوگوں میں یہ بھی تھے، لیکن بعد کو اس کوتاہی پہ سخت نادم ہوئے اور شدہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) [۱] محمود احمد عباسی کی تاریخ دانی یا غلط بیانی کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو تو وہ "سبائی لیڈر" بتاتے ہیں اور مسلم بن عقبہ مری کو جس کے ہاتھوں مدینہ پاک کی حرمت خاک میں ملی اور سینکڑوں صحابہؓ تابعین کا قتل عام ہوا رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا "معمر صحابی" حالانکہ سلف علماء جب اس مسلم کا ذکر کرتے ہیں تو بجائے "مسلم" کے اس کو "مسرف" یا "مجرم" کے برے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

میں چار ہزار فدائیوں کا لشکر لے کر خونِ حسین کا انتقام لینے کے لیے شامیوں کے مقابلہ میں نکلے۔ یہ لشکر تاریخ میں "توابین" کے نام سے موسوم ہے، امیر التوابین یہی حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالےٰ عنہ تھے۔ "عین الوردہ" کے مقام پر ۲۲ جمادی الاولیٰ ۶۵ھ کو عبیداللہ بن زیاد کے لشکر سے مقابلہ شروع ہوا اور تین دن تک دونوں لشکروں میں معرکہ کارزار گرم رہا، تیسرے روز ۲۴ جمادی الاولیٰ کو نہایت بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے انہوں نے جامِ شہادت نوش کیا، اس وقت ان کی عمر ترانوے سال تھی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے متعلق انہوں نے تو ان کو کوفہ سے نکال دینے ہی کے لیے لکھا تھا، مگر ناصبیوں کے ممدوح مروان نے تو اپنی حکومت کی ابتداء ہی حضرت موصوف کے قتل سے کی تھی، چنانچہ امام ابن حزم ظاہری "جمہرۃ انساب العرب" میں رقمطراز ہیں

والنعمان بن بشیر اول مولود ولد فی الانصار بعد الهجرة، افتتح مروان دولته بقتله و سیق الیه رأسه من حمص، رضی الله عن النعمان ولا رضی عن قاتله" (ص ۳۶۲)

نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار میں پہلے صاحبزادے ہیں جو ہجرت کے بعد پیدا ہوئے مروان نے اپنی سلطنت کا افتتاح ان ہی کے قتل سے کیا، حمص سے ان کا سر کاٹ کر مروان کے پاس لایا گیا، اللہ تعالیٰ نعمان سے راضی ہو اور ان کے قاتل سے راضی نہ ہو

یہ بھی صحابی ہیں، جنگ صفین میں جناب معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ تھے انھوں نے ان کو یمن کا اور یزید نے کوفہ کا گورنر بھی بنایا تھا، یزید کے بعد چونکہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے بیعت کرلی تھی اور انھوں نے ان کو حمص کا والی بنا دیا تھا، اس لیے مروان نے ان سے جنگ کرکے ان کو قتل کر ڈالا۔

"داستان گو" "صاحب" "توابین" کے واقعہ سے انجان ہیں وہ اپنی داستان

اس وقوعہ کے تین ماہ بعد مختار ثقفی کے قصے سے شروع کرتے ہیں

داستان کا اختتام کھلے جھوٹ پر

(۱۶) چنانچہ "داستان گو" صاحب نے واقعہ کربلا کے بارے میں جو داستان تصنیف فرمائی ہے اس کا ڈراپ سین اس طرح ہوتا ہے۔

"خلیفہ یزیدؒ کی وفات سے حضرت مروانؓ کے خلیفہ ہونے تک دو سال کی مدت بنتی ہے، اس مدت میں عبداللہ بن زبیر کا دعویٰ خلافت اور خوارج کی جنگیں جاری رہیں، لیکن قتل حسین کے متعلق اس دوران بھی کوئی آواز ایسی نہیں اٹھی، جس میں خلیفہ یزید یا بنی امیہ کو اس قتل کا ذمہ دار گردانا گیا ہو، حالانکہ حضرت مروان کی خلافت کے قیام تک حضرت حسین کے قتل کے واقعہ کو چار سال گذر چکے تھے، عبداللہ بن زبیر ابھی زندہ تھے اور اپنی خلافت کے مدعی[۱] تھے۔ رمضان ۶۵ ہجری میں مختار ثقفی نامی ایک شخص کوفہ میں آیا اور اس نے خون حسین کے انتقام کا خفیہ پروپیگنڈہ شروع کیا"......

اس شخص نے رفتہ رفتہ خفیہ طور سے ایک گروہ اکٹھا کر لیا اور بالآخر ۶۶ھ میں حضرت حسین کے قتل کے ۶ سال بعد خون حسین کے انتقام کا نعرہ اس نے بلند کیا۔ اب بھی الزام بنی امیہ اور خلیفہ یزید پر نہیں لگایا گیا کہ صرف خون حسین کے انتقام کا نعرہ بلند کیا گیا۔......

خون حسین کے انتقام کا یہ سیاسی نعرہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بجائے اموی حکومت کی مخالفت میں موڑ دیا گیا اور پھر جس گروہ نے یا جس شخص

---

[۱] سابق میں گذر چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے شہادت حسین کے معاً بعد یزید کی حکومت کے خلاف آواز اٹھائی تھی اور قتل حسین کے سلسلہ میں اس پر نکیر کی تھی۔

سے بھی مسلمان حکومتوں میں خروج و بغاوت کے لیے کمر باندھی اس نے قتلِ حسین کے نعرہ کو ہی اپنا منشور بنایا، اس کے بعد ہی اس واقعہ سے متعلق وہ تمام قصے اور کہانیاں گھڑی گئیں جو آج تک شیعہ اور سنی فرقوں میں مشہور چلی آرہی ہیں، اگرچہ اہلِ سنت کے محقق علماء نے ہمیشہ ان گھڑے ہوئے قصوں کا رد کیا ہے اور بہت سے اہلِ علم و تحقیق شیعہ عالموں نے بھی ان قصوں کو جھوٹا اور من گھڑت بتایا ہے۔

بہر حال یہ ہے کربلا کی سچی اور تاریخی داستان" (داستانِ کربلا ص ۲۶ تا ۲۹)

ہم اس کھلی ہوئی افتراء پردازی پر جس کو احمد حسین کمال "سچی اور تاریخی داستان" بتلاتے ہیں اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ ع

اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

بھلا اہلِ سنت کے محقق علماء میں سے کسی ایک عالم کا بھی نام لیا جا سکتا ہے جو اس بات کا قائل ہو کہ قتلِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذمہ داری یزید کی اموی حکومت اور اس کے بد اعمال عمال پر عائد نہیں ہوتی بلکہ آپ کے قاتل در اصل وہ آپ کے ساتھ کوفی رفقاء ہیں جو مکہ معظمہ سے لے کر کربلا تک آپ کے ہمرکاب تھے اور جنھوں نے آپ ہی کی رفاقت میں میدان کربلا میں شربت شہادت نوش کیا اور پھر آپ کی شہادت کے ٹھیک چھ برس بعد آپ کے خونِ ناحق کی جھوٹی تہمت ناکردہ گناہ خلیفہ یزید اور اس کی حکومت کے کارندوں کے سر تھوپ دی گئی اور پہلا شخص جس نے یہ تہمت طرازی کی اور پھر اس کا غلط پروپیگنڈہ کیا وہ مختار ثقفی ہے، چنانچہ اس وقت سے لے کر آج تک ساری "امتِ مسلمہ" مختار کذاب کے غلط پروپیگنڈہ سے متأثر ہو کر اسی غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ اصل قاتلوں کی بجائے یزید بے چارہ کو برا بھلا کہتی چلی آتی ہے، اس جرأت کے ساتھ غلط بیانی ہمارے نزدیک کسی مسلمان کا کام نہیں ہو سکتا، یا للعجب

لیلیٰ کی کہانی نہیں، سبطِ پیغمبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا بیان ہے اس میں افسانہ طرازی اور داستان گوئی، حد درجہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے، ایسی نازیبا حرکت ساری اسلامی دنیا کی دل آزاری کا باعث ہے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ان ناصبیوں کے شر سے محفوظ رکھے، آمین۔

حضرت علیؓ و حسینؓ کی تحقیر و توہین

(۱۷) "داستانِ کربلا" لکھی تھی تو قاعدہ کے مطابق "داستان گو" صاحب کو اپنی داستان واقعاتِ کربلا پر ہی ختم کر دینا چاہیے تھی، مگر جس طرح کسی رافضی سے توقع ہے موقع خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تبرا کیے بغیر نہیں رہا جاتا، وہی حال ان کے مقتدی ناصبیوں کا بھی ہے کہ یہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آلِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تبرا کیے بغیر نہیں رہ سکتے اور "داستان گو" صاحب تو ان ناصبیوں کے نقیب ٹھہرے، پھر بھلا وہ کیسے اس سے باز رہ سکتے تھے، اس لیے انہوں نے مادۂ کربلا کا "پس منظر" بیان کرتے ہوئے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیر و توہین میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ہے اور دل کھول کر ان دونوں حضرات پر طعن و طنز کیا ہے۔ چنانچہ "داستان گو" کے الفاظ ہیں:

> "ان شیعانِ علی نے حضرت علیؓ کو کبھی اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سے لڑایا کبھی حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ کے خلاف کھڑا کیا اور پھر خود یہ شیعان حضرت علیؓ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، آپ پر کفر کا فتویٰ عائد کیا، نہروان پر حضرت علیؓ کے خلاف جنگ کی، حتیٰ کہ چھپ کر ایک دن حضرت علی پر قاتلانہ حملہ کیا، جس سے حضرت علیؓ کی موت واقع ہو گئی،،
>
> ("داستانِ کربلا" ص ۱۳)

خاک بدہن گستاخ کیا خوب گویا نعوذ باللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، خلیفہ راشد نہیں، علم نبوی کے حامل نہیں، فراستِ دینی سے بہرہ ور نہیں فقہی مسائل سے آشنا نہیں محض ننھے نادان تھے نہ کچھ سمجھ رکھتے تھے نہ شعور جو ان شیعوں کے کہنے میں آکر کبھی حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت طلحہ وحضرت زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے جا لڑے اور کبھی ان کے بہکانے سے جناب معاویہ وعمرو بن عاص رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے! اور ہاں ان ناصبیوں کے بڑے بھائی خارجیوں کا کچھ ذکر نہیں، شاید دنیا میں ان کا وجود ہی نہ تھا، حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے نہروان کے مقام پر جن لوگوں نے جنگ کی وہ خوارج نہیں بلکہ ان نواصب کے پیش رو "شیعانِ علی" تھے جن کی تعلیم میں "مجلسِ عثمانِ غنی" نے جھوٹ بولنے پر کمر باندھ رکھی ہے اور حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ کا قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی قطعاً خارجی نہ تھا، جیسا کہ اسلامی دنیا آج تک باور کرتی چلی آئی ہے بلکہ مجلس کے "داستان گو" کی سچی اور تاریخی داستان کے مطابق "شیعانِ علی" کا ایک فرد تھا ماشاء اللہ کیا کہنے اس داستان گوئی کے، داستان ہو تو ایسی ہو، کہ جس میں کہیں سچ کا شائبہ بھی نہ نکلے۔

ایک نئی دریافت

(۱۸۶) اور یہ نئی دریافت ہے

"دراصل یہ شیعانِ علی، قاتلینِ عثمان کا ہی گروہ تھا جو حضرت علی کے گرد جمع ہو گیا تھا، آپ کو خلیفہ بنایا اور خلافت کا مرکز مدینہ سے منتقل کرا کر کوفے لے آیا اور بجائے اس کے کہ حضرت علی کی خلافت کو مستحکم بننے دیتا، انھیں کبھی حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے لڑوا ڈالا اور کبھی صفین کے مقام پر حضرت معاویہؓ سے جا لڑایا، جب حضرت علیؓ نے چاہا کہ صلح صفائی کے ساتھ معاملات طے ہو جائیں، تو ان شیعانِ علی نے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ حضرت علی کے خلاف بغاوت کر دی اور بالآخر سازش کر کے ایک

دن حضرت علی پر قاتلانہ حملہ کیا جس سے آپ جان بر نہ ہو سکے"

(داستانِ کربلا ص ۱۵)

(ؤ) معلوم ہوا، خاک بدہن گستاخ (ونعوذ باللہ من ھذہ الخرافات) حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ" ان شیعانِ علی کے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ ہیں" کسی مسلمان نے ان سے خلافت کی بیعت ہی نہیں کی، لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ" مجلسِ عثمان غنی" کے ناصبیوں کی طرح وہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ برحق ماننے سے انکار کردیں "داستان گو" صاحب نے اپنی داستان میں یہ وضاحت نہ کی کہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کس عقیدہ کے قائل تھے۔ اہل سنت کے عقائد رکھتے تھے یا اہل التشیع کے، جہاں انہوں نے تاریخی اساطیر سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ان کی خلافت کے بارے میں یہ مصریاتہ دکذوبات جمع کی نہیں، وہاں اگر وہ دو حروف اس سلسلہ میں بھی سپرد قلم فرما دیتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا، امت کو ایک اور نئی بات معلوم ہو جاتی اور خود حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ کی شخصیت کے بارے میں بھی ان ناصبیوں کا نقطہ نظر واضح ہو جاتا۔

(ب) یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ کوئی با اختیار خلیفہ نہ تھے بلکہ شیعانِ علی کے ہاتھوں میں جو دراصل قاتلانِ عثمان تھے بالکل بے بس تھے مگر اس کے باوجود اقتدار سے چپٹے ہوئے تھے، انہوں نے خلافت کا مرکز مدینہ سے منتقل کرایا اور یہ مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے آئے، حرم نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو خیرباد کہہ دیا اور ذرا خیال نہ آیا کہ کیا کر رہے ہیں، یہ" شیعانِ علی قاتلانِ عثمان" جب چاہتے جس سے چاہتے تھے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو لڑاتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ ہر وقت لڑنے کو موجود رہتے تھے کبھی انکار ہی نہیں کیا، جب ان لوگوں نے حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے لڑنے کو کہا ان سے لڑنے پہنچ گئے اور جب" صفین" میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے لڑائی کو کہا تو

وہاں آکر رٹنے لگے، گویا با اختیار خلیفہ نہیں بلکہ ان "شیعانِ علی قاتلانِ عثمانؓ" کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے۔ (معاذ اللہ من ہذہ الاکاذیب)

(ج) یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اخیر زندگی میں حضرت ممدوح نے چاہا بھی کہ صلح صفائی کے ساتھ معاملات طے ہو جائیں تو ان "شیعانِ علی" نے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ حضرت علی کے خلاف بغاوت کر دی اور بالآخر سازش کر کے ایک دن حضرت علی پر قاتلانہ حملہ کیا جس سے آپ جان بر نہ ہو سکے "خوارج" کا اس سلسلہ میں کوئی ذکر نہیں کیونکہ وہ اراکینِ "مجلس عثمانِ غنیؓ" کے بڑے بھائی تھے۔ یہ ناصبی تو صرف حضرت ممدوح کی تحقیق و تجہیل پر قناعت کرتے ہیں اور وہ ان سے دو قدم آگے نعوذ باللہ حضرت کی تکفیر کے مرتکب تھے۔ لہٰذا "مجلسِ عثمانِ غنیؓ" کا فرض ہے کہ اپنے ان محبوب و محترم بھائیوں کی جتنی بھی پردہ پوشی کی جا سکے کرے، کیونکہ ان کا نام لینے سے اندیشہ ہے کہ مسلمان اُن کے بزرگوں کی توہین کریں گے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے "مجلسِ عثمانِ غنیؓ" کے یہ بد باطن ناصبی کس کس طرح سے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ پر تبرّا کرتے ہیں اور بہت سے سادہ لوح مسلمان اس کو بھی شیعوں کی تردید ہی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ شیعوں کی تردید نہیں حضرت علی و حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اپنے بغض و عناد کا اظہار ہے۔

حضرت حسن کے بارے میں داستان سرائی

(۱۹) اب حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں "داستان گو" صاحب نے جو داستان سرائی کی ہے وہ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں۔

"حضرت علیؓ کے بعد ان شیعان نے حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ کو ان کا جانشین خلیفہ بنا کر، باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی کی رسم قائم کی، پھر اس گروہ نے حضرت حسن کے ساتھ بھی سرکشی شروع کر دی، آپ کی اہانت کی، آپ کو زخمی کیا، آپ کا سامان لوٹا جسم پر سے کپڑے تک نوچ کر

اتار لیے حتیٰ کہ گھر میں عورتوں کے سامان و لباس تک پر دست درازیاں کیں،
بالآخر حضرت حسن نے یہی مناسب سمجھا کہ ان "قاتلانِ عثمان" سے جو شیعانِ علیؓ
بن کر ہماری آڑ میں اپنا تحفظ بھی کر رہے ہیں، ہمیں ہمارے بھائیوں اور بزرگوں
سے لڑانے میں بھی لگے ہوئے ہیں اور جب چاہتے ہیں ہمارے ساتھ بھی بدسلوکی
اور شرارت سے باز نہیں آتے ہیں نجات حاصل کی جائے اور حضرت معاویہؓ
کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں مسلمان امت کا متفقہ خلیفہ بنا دیا جائے تاکہ
"قاتلانِ عثمان" کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں اور ان کی شر انگیزیوں سے امت
کو بچائیں" (داستانِ کربلا ص ۱۴۱، ۱۴۵)

حضرت علی کے بعد یہی سلوک ان شیعان نے حضرت حسنؓ کے ساتھ
کیا، پہلے آپ کو اپنے والد حضرت علیؓ کا جانشین بنا کر آپ کے ہاتھ پر بیعت
کی، پھر کچھ دن بعد آپ کی توہین کی، آپ پر حملہ کیا، آپ کی ران زخمی کر دی
اور آپ کا سامان لوٹ لیا، چنانچہ حضرت حسن ان کے اس طرزِ عمل سے
بددل و مایوس اور بیزار ہو کر اپنے نانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے
برادرِ نسبتی، کاتبِ وحی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر حسین
اور اپنے تمام اہلِ خاندان سمیت بیعت کر لی۔ (داستانِ کربلا ص ۱۴۲)

معلوم ہوا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرح حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
بھی خلافت کی بیعت کرنے والے یہی "قاتلانِ عثمان شیعانِ علی" ہیں، لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے
کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ان کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کو بھی خلیفہ راشد ماننے سے انکار کر دیں، اہلِ سنت خواہ مخواہ آج تک ان دونوں
حضرات کو خلیفۂ راشد مانتے چلے آتے ہیں۔

نیز جس طرح ان "قاتلانِ عثمان شیعانِ علی" نے نعوذ باللہ درجہ بدرجہ گردن گستاخ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کھلونا بنا رکھا تھا کہ جس سے چاہتے تھے جب چاہتے تھے حضرت کو لڑا دیتے تھے اور حضرت بلا تامل لڑنے چلے جاتے تھے، اسی طرح انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو بھی اپنا آلۂ کار بنانا چاہا، مگر صاحبزادے باپ سے زیادہ ذہین نکلے اور معاملہ کی تہ تک جلد ہی پہنچ گئے، لہٰذا ان سے نجات حاصل کرنے کی بس ایک ہی راہ سمجھ میں آئی کہ

"حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں مسلمانوں کا متفقہ خلیفہ بنا دیا جائے تاکہ وہ قاتلانِ عثمان کو کیفر کردار تک پہنچائیں اور ان کی شر انگیزیوں سے امت کو بچائیں"

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت علی مرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ تعالےٰ وجہہ اور ان کے جگر گوشہ حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی بے لبسی اور مجبوری کا اس "ناصبی" داستان گو" نے کیا سماں باندھا ہے۔ واقعی ڈاکٹر صاحب نے داستان گوئی کا حق ادا کر دیا، کیا مجال جو کوئی سچی بات درمیان میں آنے پائے، اپنے بزرگ و محترم خارجیوں کے جرائم کو بھی جن کی معنوی ذریت یہ ناصبی صاحبان ہیں ان "قاتلانِ عثمان شیعانِ علی" ہی کے نامۂ اعمال میں درج کر دیا، ان خارجیوں نے اگر حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ کو شہید اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زخمی کیا تھا، تو کیا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زخمی نہیں کیا تھا؟ کیا وہ ان کی زد سے بچ گئے تھے؟ پھر ان کا ذکر کیوں نہ کیا؟

حضرت حسین کی تحقیق

(۲۰) بہرحال "داستان گو" صاحب یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس صورتِ حال سے کوئی سبق حاصل نہ کیا اور "قاتلانِ عثمان" کے ورغلانے میں آکر ناحق اپنی جان گنوائی، جس کی تفصیل "داستان گو" صاحب کے الفاظ میں یہ ہے

"حضرت حسین جب شہید ہوئے تو ان کی عمر ۵۵ سال سے تجاوز کر چکی تھی

جوانی کا عہد گذر گیا تھا اور بڑھاپا آچکا تھا، حضرت حسین اس غدارانہ سلوک کو اچھی طرح دیکھ چکے تھے جو شیعانِ علی نے ان کے والد حضرت علی کے ساتھ کیا تھا ..... حضرت علی کے بعد یہی سلوک ان شیعان نے حضرت حسنؓ کے ساتھ کیا تھا۔ (ص ۱۲، ۱۳) حضرت علی کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن ان تمام حالات کو شروع سے دیکھتے چلے آرہے تھے، قاتلانِ عثمان کے ارادوں سے واقف ہو چکے تھے (ص ۱۷) "قاتلین عثمانؓ" کے گروہ کے نرغہ سے جو اپنے آپ کو "شیعانِ علیؓ" کہتے تھے، آپ نے خود کو اور اپنے اہلِ خانہ کو نکالا اور مدینہ منورہ جا کر قیام پذیر ہو گئے" (ص ۱۹)

لیکن "قاتلین عثمانؓ" مایوس نہیں ہوئے اور حضرت علیؓ کے اہلِ خاندان و بنی ہاشم کی نئی نسل کو خلافت کے مسئلہ پر اکسانے کی کوشش کرتے رہے ..... حضرت معاویہؓ نے یہ محسوس کر کے کہ ان کے بعد خلافت کے سوال پر مسلمانوں کے درمیان پھر کوئی نزاع نہ اٹھ کھڑا ہو، اپنی وفات سے پیشتر ..... اپنے بیٹے یزید کے لیے جانشینی کی بیعت عام لے لی۔ اس دوران کوفہ میں رہنے والے "قاتلانِ عثمانؓ" کے گروہ کے افراد نے حضرت حسینؓ سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت حسن فوت ہو چکے تھے اور یہ لوگ آ آ کر حضرت حسین کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہے (ص ۲۰، ۲۱)

سنہ ۶۰ھ میں حضرت معاویہ کی وفات ہو گئی آپ کے بعد امیر یزید جانشین ہوئے اور خلافت کی بیعت شروع ہوئی (ص ۲۲) کوفہ کے شیعانِ علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حسین، یزید کی بیعت کیے بغیر مدینہ سے مکہ آگئے ہیں تو انہوں نے ..... اس مضمون کا خط حضرت حسین کو لکھ بھیجا کہ آپ کوفہ آئیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے (ص ۲۴) حضرت حسین کا قتل ان

کوفیوں نے کیا جو آپ کو مکہ سے لے کر آئے تھے (ص ۴۴)

غرض جناب "داستان گو" صاحب کے بیان کے مطابق حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جانے پر بھی سب کچھ دیکھنے اور جاننے کے باوجود قاتلان عثمان کے ورغلانے میں آکر اپنے والد بزرگوار کی طرح طلب خلافت میں جان دے دی اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ اگر وہ بھی اپنے برادر بزرگوار کی طرح "قاتلین عثمان" کے گروہ کے نرغہ سے اپنے آپکو اور اپنے اہل بیت کو نکال کر یزید کی بیعت کر لیتے تو کیا اچھا ہوتا۔ یہ ہے وہ تأثر جو "داستان گو" صاحب مسلمانوں کو "داستان کربلا" لکھ کر دینا چاہتے ہیں

قاتلانِ عثمانؓ کے بارے میں ضروری تنقیح

(۲۱) یہ بات اچھی طرح ذہن میں رکھنا چاہیے کہ "داستان گو" صاحب بار بار "قاتلان عثمان" اور "شیعان علی" کے الفاظ کی تکرار اس لیے کرتے ہیں تاکہ اہل سنت کے جذبات بھڑکا کر وہ اپنا الو سیدھا کریں۔ یاد رہے وہ ہر جگہ ان الفاظ کے ذریعہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں غلط تأثر قائم کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی المناک شہادت کے سانحہ نے امت مسلمہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک حصہ ان مسلمانوں پر مشتمل تھا جو حضرت عثمان کے قاتلوں کو گرفتار کر کے کیفر کردار تک پہنچانا چاہتا تھا اور دوسرا حصہ ان مسلمانوں کا تھا جن میں قاتلین عثمان مل جل گئے تھے اور انھیں مسلمانوں کے پہلے گروہ سے لڑاتے رہنے کی کارروائیوں میں مصروف تھے۔ حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان جنگوں کی اصل وجہ یہی تھی"

("داستان کربلا" ص ۱۶، ۱۷)

"داستان گو" کے اس فریب کو سمجھنے کے لیے اولاً "قاتلان عثمان" کے معاملہ پر غور

کیجئے، قاتلانِ عثمان کے سلسلہ میں اصل تنقیح طلب یہ امر ہے کہ واقع میں "قاتلانِ عثمان" ہیں کون؟ کیا وہ چند شر پسند جو آس پاس کے مکانات کی دیواروں سے کود کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں داخل ہو گئے تھے اور جنھوں نے اس فعلِ شنیع کا ارتکاب کیا تھا" یا وہ سب مظاہرین جو آپ سے مسندِ خلافت سے کنارہ کش ہونے کا مطالبہ کر رہے تھے ظاہر ہے کہ شرعاً اور قانوناً آپ کے قتل کے مجرم وہی اشخاص ہیں جو براہِ راست اس فعلِ شنیع کے مرتکب ہوئے خود آپ پر حملہ آور ہوئے یا آپ پر حملہ کرنے میں مدد کی، ایسے لوگوں کی تعداد خود "داستان گو" صاحب کے بیان کے مطابق پانچ افراد سے زیادہ نہیں، جن کو وہ شیعوں کی ضد میں "پنج تن" کہہ کر پکارتے ہیں، ان پانچوں قاتلوں کے نام "داستان گو" صاحب نے یہ لکھے ہیں۔

(۱) محمد بن ابی بکر

(۲) کنانہ بن بشر

(۳) غافقی

(۴) عمرو بن حمق

(۵) سودان بن حمران

بعد کو "داستان گو" صاحب نے کلثوم بن تجیب نامی ایک شخص کو بھی قاتل لکھا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ کس کا قاتل تھا۔ اگر اس کو بھی وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل قرار دیتے ہیں تو ان کی "پنجتن" کی پھبتی غلط ہو جائے گی کیوں کہ اب قاتل "پنجتن" کی بجائے "شش تن" بن جائیں گے۔ بہرحال ان نامردگان میں حضرت عمرو بن حمق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

لے ملاحظہ ہو "داستان گو" صاحب کا "مجلسِ عثمانِ غنی" سے شائع کردہ پہلا کتابچہ "حضرت عثمان غنی کی شہادت کیوں اور کیسے؟" (ص ۸۰۷)

تو صحابی ہیں اور محققین محدثین کی تصریح کے مطابق کسی صحابی رسول کی شرکت قتل عثمان میں ثابت نہیں۔ اسی طرح محمد بن ابی بکر صدیق کے متعلق بھی صحیح یہی ہے کہ وہ قتل کے ارتکاب میں شریک نہ تھے۔ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ڈاڑھی ضرور پکڑی تھی، لیکن جب حضرت ممدوح نے یہ فرمایا کہ بھتیجے! اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے تو ان کو یہ حرکت پسند نہ آتی یہ جملہ سننے کے ساتھ ہی وہ شرما کر پیچھے ہٹ گئے اور دوسرے لوگوں کو بھی آپ پر دست درازی سے روکنے کی کوشش کی، لیکن کچھ بن نہ پڑا، یہ عجیب بات ہے کہ یہ ناصبی اپنے امام یزید اور مروان کو تو ہر طرح بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے خلاف جو کچھ تاریخ اسلام میں مذکور ہے اس کو سبائیوں کی ہوائی باتیں بتاتے ہیں مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے صاحبزادے محمد بن ابی بکرؓ کو قتل حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں شریک بنانے کے درپے ہیں صرف اس لیے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لیے پالک تھے اور شیعہ بھی ان کو اپنا ہیرو مانتے ہیں اور ان پر "قتل عثمان" کی غلط تہمت جوڑتے ہیں، جو خلاف واقع ہے، ناصبیوں کو چاہیے کہ جس طرح وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا برادر نسبتی ہونے کی وجہ سے "خال المؤمنین" کہتے ہیں اسی رشتہ سے ان کو بھی "خال المؤمنین" کہا کریں اور ان کا ادب کیا کریں کیونکہ وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے فرزند ارجمند اور حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے بھائی تھے۔

سودان بن حمران اور کلثوم تجیبی دونوں موقع پر ہی حسب تصریح حافظ ابن کثیر حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے غلاموں کے ہاتھوں مارے گئے[1] اب صرف غافقی اور کنانہ بن بشر دو شخص رہ جاتے ہیں جو موقع واردات سے کسی طرح فرار ہو گئے تھے

---

[1] ملاحظہ ہو "البدایہ والنھایہ" ج ۷ ص ۱۸۸، ۱۸۹

بعد کو یہ بھی قتل ہوئے چنانچہ ابن جریر طبری نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ قاتلانِ عثمان میں سے کوئی شخص بھی قتل ہونے سے نہ بچ سکا[1]

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالے وجہہ جب مسند آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ اسی واقعہ کی تحقیق تھی، لیکن دقت یہ تھی کہ نہ تو اولیائے مقتول میں سے کسی نے اس وقت دربارِ خلافت میں استغاثہ دائر کیا اور نہ قاتلین میں سے کوئی موجود تھا، نہ قتل کی عینی شہادت کسی کے خلاف فراہم ہو سکی، اب کارروائی کی جاتی تو کس کے خلاف کی جاتی، علامہ ابن تیمیہ نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ

علیٌّ کان معذوراً فی ترك قتلة عثمان لأن شروط الاستیفاء لم توجد۔ (منہاج السنہ ص ۱۲۹ ج ۳)	حضرت علی قاتلین عثمان کو قتل نہ کرنے میں معذور تھے کیوں کہ قصاص لینے کے لیے جو شرائط ضروری ہیں وہ موجود ہی نہ تھیں

ظاہر ہے کہ جب اصل قاتلوں کا پتہ ہی نہ چل سکے تو پھر قصاص کس سے لیا جائے یہ بات تو ہوئی ان لوگوں کے متعلق جو براہ راست اس فعل شنیع کے مرتکب ہوئے تھے۔

اب رہے وہ مظاہرین جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالے عنہ کی حویلی کا محاصرہ کیا تھا۔ ان کی حیثیت باغی سے زیادہ نہ تھی " داستان گو " نے بھی اپنے پمفلٹ کتابچہ "حضرت عثمان غنی کی شہادت کیوں اور کیسے" میں جگہ جگہ ان کو باغی لکھا ہے، باغیوں کے بارے میں فقہ اسلامی کا فیصلہ یہ ہے کہ بغاوت سے باز آ جانے کے بعد ان کو بغاوت کی پاداش میں سزا نہیں دی جائے گی، نیز آغازِ بغاوت میں بھی جب تک وہ لوگوں کی جان و مال سے تعرض نہ کریں ان کو زبانی فہمائش ہی کی جائے گی۔ سمجھایا جائے گا، ان کے شبہ کے ازالہ

[1] ملاحظہ ہو "البدایہ والنہایہ" ج ۷ ص ۱۸۸، ۱۸۹

کی کوشش کی جائے گی تاکہ وہ فساد و بغاوت سے باز آجائیں، ہاں اگر وہ زبانی فہمائش سے باز نہ آئے اور انہوں نے خوں ریزی میں پیش دستی کی یا باضابطہ لشکر کشی کر کے لڑنے کو موجود ہو گئے، تو پھر ان سے قتال واجب ہے اب حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہا دونوں خلفاء راشدین کے طرز عمل پر نظر ڈال لیجئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عین محاصرہ کے وقت بھی باغیوں کو زبانی فہمائش ہی پر اکتفا کی اور ہر طرح ان کے شبہات کے ازالہ کی کوشش فرمائی۔ کیونکہ اس وقت تک ان کا معاملہ خلیفۂ وقت کے خلاف مظاہرہ سے آگے نہ بڑھا تھا۔ اخیر میں چند شر پسند جنکی تعداد چار پانچ افراد سے زیادہ نہ تھی، اچانک اشتعال میں آ گئے وہ چوروں کی طرح پڑوس کی دیوار سے آپ کی حویلی کی چھت پر کود سے اور بالا خانہ میں اتر کر آپ کو شہید کر ڈالا، ان میں کچھ عین وقت پر مارے گئے، کچھ موقع پا کر رات کے اندھیرے میں فرار ہو گئے بعد ازاں جب حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہٗ سے مدینہ کے تمام مہاجرین و انصار نے خلافت کی بیعت کی تو ان مظاہرین نے بھی حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بیعت کر کے آپ کی اطاعت اختیار کر لی، بغاوت فرو ہو جانے کے بعد اب ان باغیوں سے باز پرس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا فقہاء نے تصریح کی ہے۔

توبة الباغي بمنزلة الاسلام من الحربي فى افادة العصمة والحرمة۔	جان و مال کی حفاظت اور ان کے احترام کے سلسلہ میں باغی کے توبہ کر لینے اور حربی کافر کے اسلام لے آنے کا ایک ہی حکم ہے (کہ اب
(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، باب البغاة)	دونوں کی جان اور مال سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا)

پھر حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ، کو ان باغیوں نے امام نہیں بنایا تھا، بلکہ حضرات مہاجرین و انصار نے آپ کو خلافت کے لیئے منتخب فرمایا تھا اور آپ کا استحقاق خلافت

تو درحقیقت اسی روز متعین ہو گیا تھا جس روز حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا انعقاد ہوا، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنی وفات کے وقت خلافت کا مسئلہ چھ حضرات میں دائر کر دیا تھا اور ان حضرات نے حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان دو حضرات کو اس کیلئے نامزد کیا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تو صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدم موجودگی میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اس منصب جلیلہ کے لیے سب حضرات کی نظروں میں متعین ہیں، لہٰذا جس اجماع کے ذریعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت کے لیے متعین ہوئے اسی اجماع نے اس منصب کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو متعین کیا، یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عہدۂ جلیلہ کو قبول کرنے کے لیئے اپنی رضامندی ظاہر کی، مدینہ طیبہ کی آبادی آپ سے بیعت کرنے کے لیے ٹوٹ پڑی، چنانچہ امام ابن حزم ظاہری "الفصل فی الملل والاہواء والنحل" میں فرماتے ہیں۔

ان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما ادعیٰ الی نفسہ بعد قتل عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سارعت طوائف المھاجرین والانصار الی بیعتہ ۔	بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد جب اپنے لیے حق خلافت کا اظہار فرمایا تو مہاجرین و انصار جوق درجوق آپ کی بیعت پر ٹوٹ پڑے۔
(ج ۴ ص ۱۰۰، ۱۰۱)	

اور پھر آپ سے بیعت کرنے کے بعد ان حضرات مہاجرین و انصار نے جس جاں نثاری کا ثبوت دیا اس کا اظہار امام موصوف نے ان الفاظ میں کیا ہے

اذ دعا الی نفسہ فقامت معہٗ طوائف من المسلمین	جیسے ہی جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی طرف دعوت دی مسلمانوں کی بڑی

عظیمة و بذلوا دماءهم دونه، ورأوه حینئذٍ صاحب الامر والاولی بالحق ممن نازعه۔ (ج ۳ ص ۹۷)	بڑی جماعتیں آپ کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئیں اور آپ پر اپنی جانیں قربان کردیں، یہ سب حضرات اس وقت آپ ہی کو اپنا امیر مانتے اور جو لوگ آپ سے برسرِ نزاع تھے ان کے مقابلے میں آپ ہی کو حق پر جانتے تھے

اور آگے چل کر لکھتے ہیں

الذین بایعوه بعد ذلك اذ صار الحق حقه، وقتلوا انفسهم دونه۔ (ج ۳۔ ص ۱۰۱)	وہ حضرات جنھوں نے شہادتِ عثمانؓ کے بعد آپ سے بیعت کی جبکہ خلافت آپ ہی کا حق تھا اور پھر آپ کے لیے اپنی جانیں قربان کردیں

یہی حضرات مہاجرین و انصار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے رفقاء و جاں نثار تھے جن کو یہ ناصبی "شیعانِ علی" اور "قاتلینِ عثمان" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

شیعہ مخلصین کون ہیں

(۳۴) رہا "شیعانِ علی" کا مسئلہ تو واضح رہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کے شیعہ مخلصین یہی حضرات اہل السنۃ والجماعۃ ہیں، یہی آپ کو خلیفہ راشد مانتے ہیں یہی آپ کی نسبت روحانی اور آپ کے علم کے حامل ہیں غور فرمائیے، تصوفِ اسلامی کے اکثر و بیشتر سلسلے حضرت ممدوح ہی کی طرف منسوب ہیں، فقہ حنفی کا دار و مدار زیادہ تر حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فتاویٰ پر ہی ہے اہلِ سنت کی کتب احادیث میں تمام خلفاء راشدین سے زیادہ آپ کی مرویات ہیں۔ غلاۃ شیعہ نصیریہ، اسماعیلیہ، اثنا عشریہ اور زیدیہ جو اپنے آپ کو "شیعانِ علیؓ" کہتے ہیں محض غلط ہے، ان لوگوں نے نہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفادہ کیا، نہ آپ کی تعلیم کو محفوظ رکھا اور نہ یہ آپ کی نسبت کے حامل ہیں نہ ان کا حضرت موصوف سے کوئی تعلق تاریخ میں ثابت ہے اس سلسلہ میں مزید تفصیل کی ضرورت ہو تو تحفہ

اثنا عشریہ مولفہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی سے مراجعت کرنی چاہیے تاکہ حقیقت حال معلوم ہو جائے[1]

اس میں شک نہیں کہ شیعوں کے تینوں فرقے غالی[1] جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نعوذ باللہ خدا مانتے ہیں، رافضی[2] تبرائی جو حضرات شیخین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کو غاصب خلافت سمجھ کر ان پر سب و شتم کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو امام معصوم سمجھتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت کی صاف تصریح کر دی تھی اور تفضیلی[3] جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے افضل مانتے ہیں ان تینوں فرقوں کا آپ کے زمانہ خلافت میں ظہور ہو چکا تھا، جس طرح کہ خوارج بھی جو حضرت عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کافر سمجھتے ہیں اسی دور میں پیدا ہوئے تھے اور نواصب بھی جن کا کام صرف حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ اور آپ کے خاندان سے عناد کا اظہار ہے، لیکن امیرالمؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ نے ان سب گمراہ فرقوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا وہ علامہ شیخ ابن

---

[1] ملاحظہ ہو تحفہ اثنا عشریہ (ص) اور (ص ۱۷۱) پر فرماتے ہیں

شیعہ حقیقی مرتضیٰ علی اہل سنت و جماعت اند کہ بروش آنجناب میروند و باکسے بد نیستند و ہر یکے بہ نیکی یاد می کنند و در عقائد و اعمال اتباع قرآن و حدیث و سیرت آنجناب مینمایند" حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی شیعہ تو اہل سنت و جماعت ہی ہیں کہ ان ہی کی روش پر چلتے ہیں اور کسی کے ساتھ برے نہیں سب کو نیکی کیساتھ یاد کرتے ہیں اور عقائد و اعمال میں قرآن و حدیث کی اتباع کرتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طریقے پر چلتے ہیں" واضح رہے کہ "شیعہ" کے معنی گروہ کے ہیں، اس لیے "شیعہ علی" کے معنی ہوئے "حضرت علی کی جماعت" اور ظاہر ہے کہ یہ صفت حضرات اہل سنت کی ہے جو کہ "روافض" کی۔ ان کو "شیعان علی" کہنا ایسا ہی ہے جیسے جوفاجر کو مومن کہنا یا خاکروب کو حلال خور۔

تیمیہ کی زبان سے سنیئے۔

وقد عاقب علی بن ابی طالب طوائف الشیعۃ الثلاثۃ، فانہ حرق الغالیۃ الذین اعتقدوا الاھیتہ بالنار، وطلب قتل ابن سبار لما بلغہ انہ یسب ابابکر و عمر فھرب منہ، وروی عنہ انہ قال لا اوتی باحد یفضلنی علی ابی بکر وعمر الا جلدتہ حد المفتری، وقد تواتر عنہ انہ قال خیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر ثم عمر، ولھذا کان اصحابہ الشیعۃ متفقین علی تفضیل ابی بکر و عمر علیہ۔

(فتوی ابن تیمیہ ص ۹۴ [1])

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ نے شیعوں کی ان تینوں پارٹیوں کو سزا دی چنانچہ غالی پارٹی کو جو آپ کی "الوہیت" کی قائل تھی نذر آتش کیا، اور ابن سباء کے بارے میں جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گالیاں دیتا ہے تو آپ نے اس کو قتل کرنے کے لیے طلب فرمایا، لیکن وہ فرار ہو گیا اور آپ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا "جو کوئی شخص بھی میرے سامنے اس خیال کا پیش کیا گیا کہ وہ مجھے ابوبکر و عمر پر فضیلت دیتا ہو تو میں اس کو مفتری کی حد (اسّی کوڑے) لگاؤں گا" اور یہ روایت تو آپ سے بہ تواتر ثابت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا "اس امت میں نبی کے بعد سب سے بہتر ابوبکر ہیں اور پھر عمرؓ" اسی لیے آپ کے شیعہ اصحاب (مخلص رفقاء یعنی اہل سنت) اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر حضرت علی سے افضل تھے

---

[1] واضح رہے کہ ڈاکٹر صلاح الدین منجد نے ابن تیمیہ کے اس فتوی کو جو قلمی شکل میں محفوظ تھا "المجمع العلمی" دمشق کے شمارہ ج ۳۸، جز ثالث و رابع میں تصحیح کے ساتھ شائع کیا تھا، جس کا اصل متن اور ترجمہ "ابن تیمیہ اکیڈمی کراچی" نے ۱۹۶۳ء میں "یزید بن معاویہ از ابن تیمیہ" کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس فتوی کے مترجم جناب ڈاکٹر جمیل احمد صاحب صدر شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی ہیں۔

اور خوارج کے بارے میں لکھتے ہیں۔

فلما قتل عثمان و تفرق الناس ظهر اهل البدع والفجور، و حینئذ ظهرت الخوارج فکفروا علی بن ابی طالب و عثمان بن عفان و من والاهما حتی قاتلهم امیر المؤمنین علی بن ابی طالب طاعة لله ورسوله وجهاداً فی سبیله واتفق الصحابة علی قتالهم لم یختلفوا فی ذلك کما اختلفوا فی الجمل و صفین۔ (ص ۴۸)

پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ شہید کر دیئے گئے اور لوگوں میں افتراق پیدا ہوا تو اہلِ بدعت و فُجور کا ظہور ہوا اور اسی زمانہ میں خوارج بھی ظاہر ہوئے جنہوں نے حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہما اور ان کے محبین کی تکفیر کی تاآنکہ حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں ان لوگوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، سارے صحابہ ان خوارج سے قتال پر متفق تھے، جنگ جمل و صفین کی طرح اس بارے میں ان میں باہم کوئی اختلاف نہ تھا۔

بہرحال حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ یا حضرات حسنین رضی اللہ تعالٰی عنہما نے جتنے بھی سیاسی یا غیر سیاسی اقدامات کیے ان میں ان نام نہاد "شیعان علیؓ" کا کوئی دخل نہ تھا، ان سب حضرات کے اصل فدائی اور جان نثار اور ان کی حقیقی عظمت و قدر کرنے والے اور ان سے صحیح محبت رکھنے والے ہمیشہ سے حضرات اہل السنۃ والجماعۃ چلے آتے ہیں اور وہی ان کے اصل پیرو ہیں، ناصبیوں کو تو ان حضرات سے بغض ہے اور ان نام نہاد "شیعانِ علیؓ" کو ان کی محبت میں وہ غلو ہے جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی، ناصبی اور رافضی دونوں جادۂ حق سے دور ہیں۔ اصل صراطِ مستقیم پر حضرات اہل السنۃ والجماعۃ ہیں غرض یہ بات خوب یاد رکھیئے اور "داستان گو" کے بار بار "قاتلانِ عثمانؓ" اور "شیعانِ علیؓ" کے الفاظ کی رٹ لگانے سے بالکل دھوکہ نہ کھائیے، اس

کا مقصد ان الفاظ کے بار بار دہرانے سے سوائے ابلہ فریبی کے اور کچھ نہیں ہے۔

باقی "داستان گو" صاحب نے جو بار بار یہ تکرار کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو "ان شیعان علی" نے کبھی حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر سے لڑوا ڈالا اور کبھی صفین کے مقام پر حضرت معاویہ سے جا لڑایا" سو محض لغو ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے یہ جنگیں بغاوت کو فرو کرنے کے لیے کی تھیں وہ امام راشد تھے انہوں نے جو جہاد کیا ہے، کتاب وسنت کی روشنی میں کیا ہے۔ حضرت طلحہ حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کو غلط فہمی ہوئی، چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جیسے ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قائل کیا انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اسی وقت میدان مصاف سے اپنی گھوڑے کی باگ موڑ دی اور لشکر سے نکل کر چل دیئے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے جوان کو جاتے دیکھا تو یہ بھی فوراً میدان جنگ سے ہٹنے لگے، لیکن مروان نے ان کو جاتے دیکھ کر ان کے گھٹنہ میں ایسا تیر مارا کہ ان کا کام تمام ہو گیا، تاہم ان میں ابھی زندگی کی رمق باقی تھی کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ایک لشکری کے ہاتھ پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت کر کے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی، رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا تو جنگ جمل میں اپنے شریک ہو جانے پر اس قدر رویا کرتی تھیں کہ آپ کا دوپٹہ تر ہو جاتا تھا، یہ سب باتیں کتب احادیث میں مصرح ہیں، صفین میں جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابل ہوئے ان کے بارے میں احادیث متواترہ میں، "فئۃ باغیۃ" کے الفاظ آتے ہیں، جس کے معنیٰ باغی جماعت" کے ہیں، غرض جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے خلاف بغاوت کی وہ یا تو غلط فہمی کی وجہ سے کی جیسے کہ اہل جمل تھے یا پھر ان سے دانستہ یا نادانستہ طور پر غلطی ہوئی جیسے کہ "بغاۃ شام" بہر حال حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تمام جنگوں میں برسر حق تھے اور ان کے مخالفین خطا پر، پھر اس میں یہ تأثر دینا کہ حضرت

علی کرم اللہ وجہہٗ اپنے شیعان کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہوئے تھے، ناصبیوں کی محض بکواس ہے۔ حافظ ابن تیمیہ، منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں۔

ولو قدح رجل فی علی بن ابی طالب بانہٗ قاتل معاویۃ و اصحابہٗ و قاتل طلحۃ و الزبیر لقیل لہ علی بن ابی طالب افضل و اولی بالعلم و العدل من الذین قاتلوہ فلا یجوز ان یجعل الذین قاتلوہ ہم العادلین و ہو ظالم لہم۔

(منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریۃ ج ۳ - ص ۱۹۰ طبع مصر ۱۳۲۲ھ)

اگر کوئی شخص حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں یوں قدح کرنے لگے کہ انہوں نے معاویہ اور ان کے اصحاب سے قتال کیا اور حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی جنگ کی تو اس سے کہا جائے گا کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ علم اور عدل کے اعتبار سے ان تمام لوگوں سے جو ان سے برسر جنگ ہوئے افضل و اعلیٰ تھے، لہٰذا یہ نہیں ہو سکتا کہ جنہوں نے حضرت علی سے قتال کیا، بس وہی عادل ٹھہریں اور حضرت علی ظالم۔

اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں۔

وہمیں است مذہب اہل سنت کہ حضرت امیر در مقاتلات خود برحق بود و مصیب و مخالفان او برغیر حق و مخطی۔

(ص ۱۹۱ طبع نول کشور لکھنو ۱۳۲۵ھ)

اور اہل سنت کا مذہب بھی ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہٗ اپنی جنگوں میں حق پر تھے اور صواب پر اور آپ کے مخالف ناحق پر اور خطا کار۔

ناصبی جو چاہیں بکتے رہیں، حدیث نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس دور میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کا گروہ اس امت کے بہترین افراد میں تھے، چنانچہ صحیحین میں خوارج کے سلسلہ میں جو حدیث وارد ہے اس میں یہ الفاظ ہیں۔

ویخرجون علیٰ خیر فرقۃ من الناس قال ابو سعید اشھد انی سمعت ھذا الحدیث من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اشھد ان علی بن ابی طالب قاتلھم و انا معہ۔
(مشکوٰۃ المصابیح باب فی المعجزات الفصل الاوّل ص ۵۳۵)

یہ خارجی ان لوگوں کے خلاف اٹھیں گے جو سب سے بہتر جماعت ہوگی، ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے جہاد کیا اور میں بھی اس جہاد میں آپکے ہمراہ تھا

حضرت حسن کے بارے میں افتراء پردازی (۴۳)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں جن خیالات کا "داستان گو" نے اظہار کیا ہے وہ بھی صحیح نہیں، حافظ ابن حزم ظاہری نے "الفصل فی الملل والاہواء والنحل" میں تصریح کی ہے کہ

و مع الحسن ازید من مائۃ الف عنان یموتون دونہ (ج ۴ ص ۱۰۵)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیساتھ ایک لاکھ سے زائد ایسے شہسوار تھے جو آپ کے آگے جان فدا کرنے کو تیار تھے۔

اور اسی لیے حافظ ابن حجر عسقلانی "فتح الباری" میں اس حدیث شریف کے ذیل میں جس میں یہ مذکور ہے کہ "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک بار خطبہ دے رہے تھے اسی اثناء میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سامنے سے آگئے تو آپ نے ان کو دیکھ کر برسر منبر ارشاد فرمایا

ابنی ھذا سید، و لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین (ج ۱۳ ص ۵۷)

میرا یہ بیٹا "سید" ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بدولت مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔

اس حدیث کے فوائد کو شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

و في هٰذه القصة من الفوائد، علم من اعلام النبوة، ومنقبة للحسن بن على فانه ترك الملك لا لقلة ولا لذلة ولا لعلة بل لرغبة فيما عند الله، لما رآه من حقن دماء المسلمين فراعى أمر الدين ومصلحة الأمة۔

(ج ۱۳ ص ۵۷)

اس واقعہ میں جو فوائد ہیں ان میں ایک تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی نشانی ہے (کہ آپ کی پیشین گوئی کا ظہور ہوا) دوسرے حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی منقبت معلوم ہوئی کہ آپ بغیر کسی قسم کی کمی یا کسی طرح کی ذلت کے یا کسی نوع کی علت کے، خالصۃً لوجہ اللہ سلطنت سے دستبردار ہو گئے کیونکہ آپ نے محسوس کیا کہ ایسا کرنے سے مسلمانوں کی خون ریزی سے بچ جائیں گے، لہٰذا آپ نے دین اور مصلحتِ امت کی رعایت فرمائی۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت باوجود باغی ہونے کے زمرۂ مسلمین سے خارج نہ تھے، جیسا کہ خوارج یا روافض کا خیال ہے یہ بھی واضح رہے کہ حضرات اہل السنۃ والجماعۃ روافض کی طرح کہ وہ اپنے ائمہ کو معصوم سمجھتے ہیں کسی امتی کو معصوم نہیں سمجھتے بلکہ کسی صحابی سے بھی اگر کوئی غلطی ہو جائے تو وہ غلطی کو غلطی ہی کہتے ہیں اور ان کی اسلامی خدمات اور شرفِ صحابیت کی بناء پر ان کے احترام میں کوئی کمی نہیں کرتے۔

جن لوگوں نے حضرت علی سے جنگ کی انکے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ

علامہ احمد بن علی مقریزی نے اپنی مشہور تصنیف "الخطط والآثار" میں اہل سنت کے عقائد کے ترجمان امام ابوالحسن اشعری کا جو عقیدہ اس باب میں نقل کیا ہے اور جس پر تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا اتفاق ہے وہ یہ ہے۔

والائمة مترتبون فی الفضل ترتبهم فی الامامة، ولا اقول فی عائشة وطلحة والزبیر رضی الله عنهم الا انهم رجعوا عن الخطأ، واقول ان طلحة والزبیر من العشرة المبشرین بالجنة، واقول فی معاویة وعمرو بن العاص انهما بغیا علی الامام الحق علی بن ابی طالب رضی الله عنهم فقاتلهم مقاتلة اهل البغی و اقول ان اهل النهروان الشراة هم المارقون من الدین وان علیا رضی الله عنه کان علی الحق فی جمیع احواله، و الحق معه حیث دار

(ج ۲ ص ۲۶۰ طبع بولاق مصر ۱۲۷۰ھ)

فضیلت کے اعتبار سے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم میں وہی ترتیب ہے جس ترتیب سے وہ اس منصب رفیع پر فائز ہوئے اور حضرت عائشہ وطلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کے بارے میں میں اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ان حضرات نے اپنی خطا سے (جو جنگ جمل میں شرکت کی بناء پر واقع ہوئی تھی) رجوع کر لیا تھا اور میں اس کا قائل ہوں کہ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہما ان دس حضرات میں سے تھے کہ جن کو جیتے جی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی اور میں معاویہ اور عمرو بن عاص کے بارے میں یہی کہتا ہوں کہ ان دونوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی جو خلیفہ برحق تھے لہذا حضرت امیرالمومنین نے ان سے اسی طرح جنگ کی جس طرح باغیوں سے کرنی چاہیے اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اہل نہروان جو اس امر کے مدعی تھے کہ ہم نے اللہ تعالےٰ کی رضا کے لیے اپنے آپ کو بیچ دیا ہے وہ دراصل دین سے فراری تھے اور یہ بھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان تمام حالات میں حق پر تھے اور آپ نے جو قدم بھی اٹھایا حق آپ کے ساتھ تھا۔

نواصب تقیہ سے باز آئیں

افسوس ہے کہ "مجلس عثمان غنیؓ" کے ناصبیوں نے سچ کو اپنا شعار بنانے کی بجائے ذہنی اتباع کو پسند کیا اور جھوٹ اور نفاق کو اپنا شعار بنایا: یہ دونوں کتابچے (۱) شہادت عثمان غنی کیوں اور کیسے (۲) داستان کربلا "کذب کا مرقع" ہیں، نفاق تو ظاہر ہے کہ خود کو اہل سنت والجماعت ظاہر کرتے ہیں، ان کی مسجدوں میں امام بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ شخصی آزادی کے اس دور میں ان کو تقیہ کی چادر اپنے سر پر ڈالنے کی ضرورت نہیں، صاف کھل کر کہنا چاہیے کہ ہم یزید و مروان کی امامت کے قائل ہیں، یزید کو حسین سے، مروان کو عبداللہ بن زبیر سے اور معاویہ کو علی مرتضیٰ سے افضل مانتے ہیں، ہمارے نزدیک علی و حسین رضی اللہ عنہما پسندیدہ شخصیتیں نہیں، اس لیے ہم ان پر طعن و تشنیع کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں جس طرح روافض کو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تبرا کرنے کا حق ہے، اسی طرح علی و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان حضرات ثلاثہ پر تبرا کرنے کا ہم کو بھی حق ہے، ہم نے علی و آلِ علی کے بغض و عناد کا جھنڈا نصب کر رکھا ہے، اس لیے ہم ناصبی ہیں، تاریخ میں ناصبیوں کا یہ لقب پہلے سے موجود ہے اس میں ذرا شرمانے اور جھجکنے کی کوئی بات نہیں جرأت کی ضرورت ہے، علانیہ کہنا چاہیے کہ مروان الحمار کے قتل پر جب مشرق سے اموی حکومت کا جنازہ نکل گیا تھا تو اس مکتب فکر کے لوگ ختم ہو گئے تھے، لیکن اب پھر بارہ سو برس کے بعد اسی مروان الحمار کی یادگار ہم لوگ بھی ہیں جو محمود احمد عباسی کی تحقیقات سے متأثر ہو کر اس کو اپنا "امام و شیخ الاسلام" سمجھتے ہوئے اس مکتب فکر سے وابستہ ہو گئے ہیں، لہٰذا ہمیں اسی نام سے جاننا اور پہچاننا چاہیے۔ اگر ان ناصبیوں نے ایسا ہی کیا اور جرأت کے ساتھ برملا اپنے تشخص کا اظہار کر دیا تو وہ اس نفاق سے بچ جائیں گے جس میں فی الحال وہ مبتلا ہیں اور مسلمان بھی ان کا اصلی چہرہ پہچان لیں گے۔

یزید کے کرتوت حدیث کی روشنی میں

اب ہم آخیر میں مشکوٰۃ شریف کی اس حدیث پر اپنی تنقید کو ختم کرتے ہیں جو "باب الایمان بالقدر" کی فصل ثانی میں بایں الفاظ مرقوم ہے۔

عن عائشة رضی الله	حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
تعالیٰ عنها قالت قال	سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ
رسول الله صلی الله	علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ چھ آدمی ہیں جن پر میں
علیه وسلم ستة لعنتهم	نے بھی لعنت کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر لعنت کی
و لعنهم الله وكل نبی	اور ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے (یہ چھ شخص
يجاب ، الزائد فی كتاب	یہ ہیں) اوّل[1] وہ کہ جو کتاب اللہ میں زیادتی کرے ۔
الله ، والمكذب بقدر الله	دوسرے[2] وہ جو تقدیر الٰہی کا منکر ہو، تیسرے[3] وہ جو
والمتسلط[4] بالجبروت ليعز	جبر و ظلم سے مخلوقِ خدا پر مسلّط ہو جائے تاکہ جس
من اذله الله و يذل	کو اللہ تعالیٰ نے ذلّت دی ہے اسے عزت بخشے
من اعزه الله والمستحل	اور جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے اسے ذلیل
لحرم الله والمستحل من	کرے، چوتھے[4] وہ جو اللہ تعالیٰ کے حرم پاک کو
عترتی ما حرم الله	بے حرمت کرے، پانچویں[5] وہ جو میری عترت کی اس
والتارك[6] لسنتی رواه	حرمت کو خاک میں ملائے جو اللہ نے رکھی ہے چھٹے[6] وہ
البيهقی فی المدخل ورزين	جو میری سنت کا تارک ہو اس حدیث کو امام بیہقی نے
فی كتابه ۔	المدخل میں اور محدث رزین عبدری نے اپنی
(ص ۲۲)	کتاب میں روایت کیا ہے ۔

اس حدیث کی روشنی میں اب ذرا یزید کی زندگی پر نظر ڈالیے آپ کو معلوم ہوگا کہ

اس میں بہت سی لعنتی باتیں جمع ہو گئی تھیں۔

(۱) اس کا فاسق و فاجر اور تارک سنت ہونا تو بتواتر ثابت ہے جس طرح رستم کی شجاعت، حاتم کی سخاوت مشہور ہے اس سے زیادہ یزید کا ظلم و ستم اور اس کا فسق و فجور مشہور ہے۔

(۲) وہ جبر و زبردستی سے حکومت پر مسلط ہو گیا تھا، اس نے صحابہ کرام اور تابعین عظام کی ایک خلقت کو ذلیل کیا اور ناحق ان کا خون بہایا۔

(۳) اس نے نہ صرف حرم کعبہ کی بے حرمتی کی اور اس پر فوج کشی کی ؛ بلکہ حرم نبوی کو بھی تین دن کے لیے اپنی فوج کے لیے بالکل حلال کر دیا کہ وہ جو چاہے وہاں کرے، چنانچہ یزیدی لشکر نے تین دن تک حرم نبوی میں وہ فساد مچایا کہ پناہ بخدا ! سینکڑوں صحابہ و تابعین کے علاوہ اولاد انصار و مہاجرین کا ناحق قتل عام ہوا، لوٹ مار اور قتل و غارت کا یہ عالم تھا کہ تین دن تک مسجد نبوی میں کوئی نماز نہ ہو سکی، چنانچہ مشکوٰۃ ہی میں "باب الکرامات" میں منقول ہے۔

وعن سعید بن عبد العزیز قال لما کان ایام الحرۃ لم یؤذن فی مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثا ولم یقم۔ ولم یبرح سعید بن المسیب المسجد وکان لا یعرف وقت الصلوۃ الا بھمھمۃ یسمعھا من قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
رواہ الدارمی (ص ۵۴۵)

حضرت سعید بن عبد العزیز سے مروی ہے کہ فتنہ حرہ کے دنوں میں مسجد نبوی میں تین دن تک نہ اذان ہوئی نہ اقامت بس اکیلے حضرت سعید بن المسیب تھے جو مسجد ہی میں رہے، یہ بھی نماز کا وقت نہیں پہچانتے تھے مگر بس ہلکی سی آواز سے جو قبر نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) سے وہ سنا کرتے تھے اس روایت کو امام دارمی نے نقل کیا ہے۔

(۴) اور عزت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و حرمت کو جس طرح اس نے خاک

میں ملایا وہ تو زبان زد خاص و عام ہے یہی وجہ ہے کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ان کی مشہور و معروف کتاب "تاریخ الخلفاء" میں کربلا کے حادثہ فاجعہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ الفاظ نکل گئے ہیں۔

لعن الله قاتله و ابن زیاد معه و یزید ایضاً	اللہ تعالیٰ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل پر لعنت کرے اور اسی کے ساتھ ابن زیاد پر اور یزید پر بھی۔
(ص ۸۰ طبع میمنیہ ۱۳۰۵ھ)	

دعا ہے کہ حق تعالیٰ محض اپنے فضل سے ہماری اس حقیر سی کوشش کو شرف قبولیت سے نوازے اور ایمان کے ساتھ اہل بیت و صحابہ کرام کی محبت پر ہمارا خاتمہ فرمائے آمین یا رب العالمین۔

الٰہی بحق بنی فاطمہ — کہ بر قول ایمان کنم خاتمہ

الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات، ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم

محمد عبد الرشید نعمانی

پنج شنبہ ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ